لکھنؤ
تعمیر حیات
پندرہ روزہ

عربی زبان ہمیں اسلئے محبوب و مطلوب ہے کہ :-

"صرف عربی سیکھنا ہمارا مقصد نہیں یہ ہمارے لئے کوئی امتیاز، فخر اور سعادت کی بات نہیں کیونکہ عربی زبان مشرقِ وسطیٰ کے عیسائی اور یہودی ہم سے زیادہ بہتر جانتے ہیں ہمیں عربی زبان کو ایک ترقی پذیر زندہ زبان کی حیثیت سے اسلئے حاصل کرنا ضروری ہے کہ ہمارے تمام دینی لٹریچر اور اسلامیات کا اصل ماخذ عربی زبان میں ہے، قرآن مجید، حدیث نبوی، فقہ اسلامی اور ہمارے تمام اسلاف کے علمی سرمائے سے استفادہ اور عصرِ حاضر میں اسے پُر زور، مدلل اور موثر طریقہ سے پیش کرنے کی غرض سے ہمیں یہ زبان سیکھنی ہے — عربی زبان ہمیں اس لئے محبوب و مطلوب ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جو عالم انسانیت کی ابدی رہنمائی کے لئے آیا ہے، رسول اللہ صلعم کی وہ تعلیمات ہیں جن کی پیروی میں انسانوں کی فلاح اور نجات ہے۔ عربی کو ہم عصری اسلوب میں سمجھنے، بولنے اور لکھنے پر اس لئے بھی زور دیتے ہیں کہ مشرقِ وسطیٰ کے وہ عرب جن کے آباد و اجداد کے ذریعہ اسلام جیسی نعمت ہمیں میسّر ہوئی آج قوم پرستی، وطن دوستی، نسلی عصبیت مغرب زدگی اور الحاد و بے دینی کی راہ پر سرپٹ دوڑ رہے ہیں، ہمیں اس زبان میں کمال حاصل کر کے ان عربوں کو ان کا وہ بھولا ہوا سبق یاد دلانا ہے جنھیں ان کے آباء و اجداد نے ہمیں سکھایا ہے۔ ہماری یہ کوشش اگر کسی درجہ میں بھی ان کو اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی میں قرآن کیطرف پھیرنے اور خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پرچم تلے متحد کرنے میں معاون ثابت ہوئی تو ہم سمجھینگے کہ ہم نے اس مبارک زبان کو سیکھنے کا کچھ حق ادا کر دیا۔"

(مولانا سید ابو الحسن علی ندوی)

(مفصل مضمون صہ۳ و صہ۴ پر ملاحظہ فرمائیں)

Regd. No. L W/NP 56
FORTNIGHTLY
Phone : 22948
TAMEER-E-HAYAT
Daruluioom Nadwatululama, Lucknow (India)

قارئینِ "تعمیر حیات" سے

(۱) — جن حضرات کا زرِ سالانہ ختم ہو گیا ہے براہِ کرم وہ چندے کی رقم بذریعۂ منی آرڈر جلد روانہ فرمائیں۔

(۲) — مسلسل خسارے کی وجہ سے بلا قیمت اعزازی پرچہ جاری کرنا دشوار ہو گیا ہے۔ اعزازی قارئین سے گذارش ہے کہ وہ بھی زرِ تعاون بذریعۂ منی آرڈر روانہ کر کے ادارے کی اعانت فرمائیں۔

(۳) — وی۔ پی کے مصارف میں خاصا اضافہ ہو گیا ہے، لہٰذا وی۔ پی کا انتظار نہ فرمائیں۔

(منیجر)

مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کی
نئی تصانیف

جب ایمان کی بہار آئی : رائے بریلی کی تربیت گاہ سے بالاکوٹ کی شہادت گاہ تک ایمان و یقین، اسلامی اخلاق اور جہاد و قربانی کی روح پرور داستان۔ شروع میں سید احمد شہیدؒ کی سیرت کا مکمل خلاصہ، اسکے بعد منتخب اور اثر انگیز واقعات، اعلیٰ کتابت و طباعت دیدہ زیب سرورق
قیمت : بارہ روپے

پرانے چراغ : علمی زندگی کے مختلف شعبوں کے چند مشاہیر اور اربابِ علم و دانش کے حالات و سوانح اور کارناموں کا ایک دلآویز و دلکش قلمی مرقع جس کو پڑھ کر روح میں پاکیزگی پیدا ہوتی ہے۔
قیمت : سولہ روپے

تعدّدِ ازدواج : اس اہم مسئلہ پر ایک عرب فاضل شیخ عبد العزیز القناعی کی بحث قرآن حکیم اور عقل سلیم کی روشنی میں۔
قیمت صرف ایک روپیہ ۵۰ پیسے۔ انگریزی دو روپے

ذکرِ خیر : مولانا ندوی کی والدہ ماجدہ کے مؤثر حالاتِ زندگی جو سب کے لئے یکساں مفید و سبق آموز ہیں۔
قیمت صرف تین روپے

مکتبۂ فردوس مکارم نگر (برولیا) لکھنؤ ۳

ایکو
دورِ حاضر کی بہترین گھریلو دوا
نورانی تیل

ہر قسم کے جسم کے درد
چوٹ۔ زخم۔ جلنے
کٹنے کی بہترین دوا
انڈین کیمیکل کمپنی۔ مئوناتھ بھنجن (یو۔پی)

"تعمیر حیات"
پچاس ہزار ہاتھوں تک پہونچتا ہے۔
"تعمیر حیات"
میں اِشتہار دے کر
اپنی تجارت کو
فروغ دیجئے۔

انگوری
جنرل ٹانک
معدہ، جگر، اعصاب
اور گردوں کو طاقت دیتی ہے۔
بیماری کے بعد کی کمزوری کو جلد دُور کرتی ہے۔
دواخانہ طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

قابلِ توجہ

"تعمیر حیات" کی قیمت لاگت سے بہت کم رکھی گئی ہے، تاکہ زیادہ سے زیادہ حضرات مستفید ہو سکیں۔ اسلئے اہلِ استطاعت حضرات سے پُر زور گذارش ہے کہ حوصلہ مندی سے عطیات عطا فرما کر دینی لٹریچر کی نشر و اشاعت اور ادارہ کی اعانت میں حصہ لیں۔ ان حضرات کی خدمت میں "تعمیر حیات" برابر ارسال کیا جائے گا۔

معاونین خصوصی و لائف ممبر ۵۰۰/- معاونین ۲۵۰/- اعزازی خریدار ۵۰/- سالانہ

(منیجر)

رانا ٹرانسپورٹ کمپنی
۲۱۔ زکریا اِسٹریٹ کلکتہ ۱
اتر پردیش، مدھیہ پردیش، دہلی، بمبئی
فون نمبر :- 347440 / 344048
برانچ :- بنارس، الہ آباد، لکھنؤ، کانپور، متھرا، جبلپور، آل انڈیا فل ٹرک
پروپرائٹر :- سید انور علی رانا بریلوی

تعمیر حیات

پندرہ روزہ

۱۰ اپریل ۱۹۷۶ء ——— ۹ ربیع الثانی ۱۳۹۶ھ

جلد نمبر ۱۳ ——— شمارہ نمبر ۱۱

زرِ اشتراک اندرونِ ہند مع محصول ڈاک:

سالانہ ۱۲ روپے ششماہی ساتھ روپے۔ فی پرچہ ۶۰ پیسے

بیرونِ ہند مع محصول ڈاک،

بحری ڈاک سے: ایک پاؤنڈ ۶ شلنگ

ہوائی ڈاک سے، امریکہ وکناڈا اور یورپین ممالک، ۳ پونڈ

افریقہ، مشرق وسطیٰ اور مشرق بعید کے ممالک: ۲½ پونڈ

پاکستان: ۲۰ روپے

بنگلہ دیش: ۱۵ روپے

اس دائرے کا سرخ نشان ضروری اطلاع ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے۔ "تعمیر حیات" آپ اور آپ کے حلقۂ تعلق کی اہم ضرورت ہے ——— لہٰذا اولین فرصت میں آئندہ سال کے لئے زرِ اشتراک بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائیں یا پرچہ جاری رکھنے کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ پندرہ دن میں زرِ اشتراک یا ممانعت کی اطلاع نہ آنے کی صورت میں پرچہ وی۔ پی سے روانہ کیا جائیگا۔ جس کی وصولیابی آپ کا اخلاقی فرض ہوگا۔ وی۔ پی کے زائد مصارف خریدار کے ذمہ ہوں گے۔ براہِ کرم خط و کتابت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا مکمل پتہ اور نمبر خریداری ضرور لکھ دیا کیجئے۔

اس شمارے میں

تعلیم القرآن — محسنِ انسانیتؐ نے فرمایا۔ اداریہ ندوۃ العلماء کے نصابِ تعلیم میں قرآن حدیث اور فقہ کا مقام — انسانی محبت ان تک پہونچانا اتنا ہی ضروری ہے جتنا فسادات میں کرفیو ضروری ہے۔
مولانا عبدالباری ندویؒ — ایک تاریخی انکشاف
شاہ فیصل کا سانحۂ ارتحال
محمد علی جوہر — ترکش مارا خدنگ آخریں۔
نعت — آرزوئے مصطفیٰؐ وغیرہ

پرنٹر، پبلشر، مسئول سید محمد حسنی نے جے۔ کے آفسیٹ پرنٹنگ پریس دہلی سے طبع کرا کر دفتر "تعمیر حیات" ندوہ پوسٹ بکس ۹۳ لکھنؤ سے شائع کیا۔

اڈیٹر: اسحاق جلیس ندوی

کتابت: جلال الدین بستوی ندوی

اسحٰق جلیس ندوی

ندوۃ العلماء کے نصابِ تعلیم میں
قرآن، حدیث اور فقہ کا مقام

ندوۃ العلماء کے بانی اراکین اور اس کے فضلاء کی نصابِ تعلیم کے موضوع پر تحریروں کا سرسری جائزہ لینے کے بعد ان سب میں مشترک طور پر یہ فکر نظر آنے لگی کہ "عربی مدارس کے نصابِ تعلیم میں دینی علوم کو مرکزی اور اولین مقام حاصل ہونا چاہئے"۔ ندوۃ العلماء نے آج سے ۸۰ سال قبل نصابِ تعلیم میں اصلاح کی جو آواز بلند کی تھی اس کا اولین محرک یہی خیال تھا کہ علومِ دینیہ کا جو مقام عربی مدارس کے نصابِ تعلیم میں ہونا چاہئے وہ بدقسمتی سے حاصل نہیں، مدارس کے نصابِ تعلیم میں ان "علومِ نافعہ" کے بجائے معقولات کی ان کتابوں کی بھرمار ہے جن سے دینی علوم میں بصیرت، استعداد میں پختگی اور اسلام کی دعوت کو سمجھنے میں کوئی مدد نہیں ملتی۔ نصابِ تعلیم کی اس خامی کا ان بزرگوں کو بھی اعتراف تھا جنھوں نے برسوں اس نصاب کو پڑھا اور پڑھایا — حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نصابِ تعلیم میں غیر ضروری فنون اور ازکار رفتہ کتابوں کے مضر اثرات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"فلسفہ محض بے کار امر ہے اس سے کوئی نفع معتدبہ حاصل نہیں سوائے اس کے کہ دو چار سال ضائع ہوں اور آدمی خود دماغ، نیز دینیات سے ہو جائے، فہم کج اور کودن فہم شرعیات سے ہو جائے اور کلماتِ کفریہ زبان سے نکال کر ظلماتِ فلاسفہ میں قلب کو کدورت ہو جائے اور کوئی فائدہ نہیں۔"

(سوانح قاسمی صفحہ ۹۰ جلد دوم)

ندوۃ العلماء کے بانیوں نے دینی مدارس کے نصابِ تعلیم کی اس خامی کو محسوس کر کے اس کے خلاف روزِ اول ہی سے آواز بلند کی، اور اپنے قائم کردہ دار العلوم میں خصوصیت کے ساتھ دینی علوم پر زور دیا — بانیٔ ندوۃ العلماء مولانا محمد علی مونگیریؒ دینیات کی طرف توجہ دلاتے ہوئے اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:-

"دینیات کا بہت خیال رکھئے، نصاب میں عمدہ کتابیں ہوں۔ عقائد کا بیان عمدگی سے تعلیم کیا جائے...... قرآن مجید کی طرف زیادہ توجہ رہے، ایسا ضرور کیجئے کہ ابتدائی درجہ کا طالب علم تک قرآن مجید کے ترجمہ سے عاری نہ رہے۔"

دوسری جگہ مولانا نے انعامات کے لئے لکھا ہے کہ:-

"مختلف موضوعات پر طلبہ تقریر کریں اور کامیاب ہونے والوں کو انعامات دئے جائیں۔ لیکن قرآن مجید حدیث اور سنت کو ترجیح دی جائے اور اس کے لئے "خاص انعام" رکھا جائے۔"

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:-

"طلبہ کو سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ضرور یاد ہو۔"

نصابِ تعلیم میں علومِ دینیہ کے بجائے قدیم فلسفہ اور منطق کی غیر ضروری کتابوں کی کثرت اور مناظرانہ و مجادلانہ طریقِ درس پر تنقید فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

"اس زمانہ میں حالت بدل گئی ہے وہ اعتراضات جو پہلے فلسفہ میں کئے گئے اب انھیں کوئی نہیں پوچھتا اور نہ وہ فرقے اعتراضات کرنے والے باقی رہے، اب ان اعتراضات اور جوابات سیکھنے کی ضرورت نہ رہی، اب نیا عالم، نیا دور، نیا پانی ہے۔ جدید فلسفہ کی بنا پر اس زمانہ کے مخالفینِ اسلام نے نئے نئے قسم کے اعتراضات کئے ہیں جو پہلے نہ تھے، جن کا کافی طور سے جواب دینا قدیم فلسفہ کے جاننے سے نہیں ہو سکتا، اگرچہ کوئی کیسا ہی دعویٰ کرے۔"

ندوۃ العلماء کے قائم کردہ دار العلوم کی موجودہ عمارت کی تعمیر کے موقع پر مارچ ۱۹۰۸ء کے "الندوہ" میں مولانا شبلی نعمانیؒ نے اس دار العلوم کے مجوزہ پروگرام کا اعلان ان الفاظ میں کیا:-

"ایک ایسے درس گاہِ اعظم کا قیام جس میں تمام علومِ دینیہ یعنی تفسیر، حدیث، فقہ اور اصول کی تعلیم ایسے کمال درجہ تک دی جاتی ہو کہ تحقیق کا مرتبہ حاصل ہو سکے۔

جس میں اسلامی علوم کی تمام قدیم اور نادر و کمیاب کتابیں فراہم کی گئی ہوں۔

جس میں طالب علم کو تصنیف و تالیف کی تعلیم دی جاتی ہو — جس میں ایسے لوگ تیار کئے جاتے ہوں جو مخالفینِ مذہب کے اعتراضات کا جواب آجکل کے مذاق کے موافق دے سکیں۔

جس میں موجودہ حکومت کی زبان (انگریزی) بقدرِ ضرورت پڑھائی جاتی ہو۔

جس کی عمارت وسیع، پُرفضا اور عظیم الشان ہو۔"

مولانا شبلی نعمانیؒ نے دار العلوم ندوۃ العلماء کا جو خاکہ قوم کے سامنے پیش کیا ہے اس میں سرفہرست علومِ دینیہ یعنی تفسیر، حدیث اور فقہ کی درجۂ کمال تک تعلیم کے انتظام کا ذکر ہے۔

مولانا شبلیؒ اپنے ایک اور مقالہ میں قدیم نصابِ تعلیم (درسِ نظامی) میں قرآن مجید کی طرف سے بے توجہی پر افسوس کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں،

"قدیم نصاب میں قرآن مجید کی تعلیم کا حصہ نہایت کم ہے، قرآن مجید کا متن تک درس میں نہیں، تفسیروں میں صرف دو تفسیریں درس میں شامل ہیں، ایک جلالین جس کے الفاظ اور قرآن مجید کے الفاظ قریباً برابر ہیں اور دوسری بیضاوی جس کے صرف ڈھائی پارے پڑھائے جاتے ہیں جو کتاب کا چندرہواں حصہ بھی نہیں۔"

گنجائش...... نہیں ورنہ اسی ضمن میں مولانا عبد الحی صاحبؒ سابق ناظم ندوۃ العلماء، مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانیؒ، مولانا سید سلیمان ندویؒ، مولانا سید ابو الحسن علی ندوی اور ندوہ کے دیگر فضلاء اور منتسبین کی تحریروں سے اقتباسات دئے جا سکتے ہیں۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ندوہ کے ماضی اور حال کے نصابِ تعلیم نے اس مقصد کو پورا کیا یا نہیں؟

دار العلوم کے یومِ تاسیس سے آج تک کے نصابِ تعلیم کا جائزہ لینے کے بعد یہ حقیقت بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ ندوہ ←

تعلیم القرآن

(مولانا محمد اویس ندوی)

رسول پر ایمان:

وَرَسُولِهٖ (نساء ۲۰) اور ایمان لاؤ اس کے رسول پر

خدا اپنے بندوں کو بہت پیار کرتا ہے، اسی پیار کی وجہ سے وہ دنیا میں ایسے آدمی بھیجتا رہا جو بندوں کو اس کے حکم سے وہ باتیں بتلائیں جن سے خدا خوش ہوتا ہے اور ان باتوں سے روکیں جو اس کو پسند نہیں ہیں، ان آدمیوں کو رسولؐ اور نبیؐ کہتے ہیں! اور ان کے ذریعہ سے بندوں کو خدا کے حکم ملتے ہیں، دین اور شریعت کہتے ہیں، یہ رسول خدا کے سچے اور تابعدار بندے ہوتے ہیں، اچھے کاموں کا حکم دیتے ہیں، برائیوں سے روکتے ہیں، دنیا میں اللہ کے بہت سے رسول آئے ہیں، ان سب کا ماننا، اور ان سب کو اپنا رسول جاننا مسلمان کے لئے ضروری ہے، حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ بڑے بڑے رسولوں کے نام ہیں —

ہمارے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سب رسولوں کے بعد آئے، یہ آخری نبی ہیں، ان کے بعد کوئی اور نبی نہ آئے گا۔!

ہم مسلمان سب رسولوں کی عزت کرتے ہیں اور جناب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سب سے بڑا بزرگ اور آخری نبی مانتے ہیں۔

فرشتوں پر ایمان:

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ (نساء ۲۰) اور جو انکار کرے گا خدا کا اور اسکے فرشتوں کا۔

رسولوں کے پاس اللہ کا پیغام لانے والے کو فرشتہ کہتے ہیں، ان فرشتوں کا ماننا اور ان کو اللہ کے پیام پہونچانے میں سچا ماننا ضروری ہے۔

فرشتے خدا کی نافرمانی نہیں کرتے ہیں، ہمیشہ اس کی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں، اس سے ڈرتے اور کانپتے رہتے ہیں، زمین والوں کے لئے عام طور سے اور نیک لوگوں کے لئے خاص طور سے معافی کی دعا کرتے رہتے ہیں! بدکاروں پر لعنت کرتے ہیں! یہی فرشتے لوگوں پر خدا کی برکت اور عذاب لے کر آتے ہیں، موت کے وقت روح بھی یہی نکالتے ہیں!

یہ سمجھے رہنا چاہئے کہ کسی کو نفع یا نقصان پہونچانے میں خود ان فرشتوں کو کوئی دخل نہیں! یہ اللہ کے حکم کے بندے ہیں، جو وہ فرماتا ہے یہ کرتے ہیں!

خدا کی کتابوں پر ایمان:

وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ (نساء ۲۰) (اور ایمان لاؤ) اس کی کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری اور اس کتاب پر جو پہلے اتاری۔

اللہ نے اپنے بندوں کی تعلیم کے لئے، رسولوں کو کتابیں دی ہیں، ان کتابوں میں اللہ کے حکم اور بھلائی کی باتیں لکھی ہیں، ہم مسلمان خدا کی ان سب کتابوں پر یقین رکھتے ہیں۔

ان کتابوں کے جو نام بتائے گئے ہیں، وہ یہ ہیں:-

توراۃ: یہ حضرت موسیٰؑ کو دی گئی۔

زبور: یہ حضرت داؤدؑ کو دی گئی۔

انجیل: یہ حضرت عیسیٰؑ کو دی گئی۔

جو کتاب جناب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دی گئی اس کا نام قرآن پاک ہے! یہ خدا کی آخری کتاب ہے، خدا کے سوا کسی میں یہ طاقت نہیں کہ قرآن جیسی کتاب تیار کر سکے، اس برکت والی کتاب کی تعریف میں خدا کا ارشاد ہے:-

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ — قرآن ان چیزوں کی طرف راستہ دکھاتا ہے جو ٹھیک ہیں

[illegible] — سچائی کی راہ دکھاتی ہے۔

هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ — جو لوگ اس پر یقین کرتے ہیں ان کو راہ دکھاتی ہے اور خوشخبری دیتی ہے۔

محسنِ انسانیتؐ نے فرمایا

- مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور جس کے ہاتھ سے (یعنی اس کی ضرر رسانیوں سے) مسلمان محفوظ رہیں۔
- مومن وہ ہے جس سے لوگوں کو اپنی جان و مال کا اندیشہ نہ ہو۔
- آپس میں تمہاری جانیں اور مال ایک دوسرے کے لئے محترم ہیں۔
- مسلمان، آپس میں بھائی بھائی ہیں۔
- آپس میں بغض و کینہ نہ رکھو، اپنے بھائی کو طعنہ نہ دو، ایک دوسرے پر حسد نہ کرو، ایک دوسرے سے قطع تعلق نہ کرو، اور سب مل کر خدا کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔
- اللہ کے نزدیک اس سے بہتر کوئی عبادت (حسنِ عمل نہیں) کہ اپنے بھائی کی دلجوئی کی جائے۔
- اپنے بھائی کی مدد کرو ظالم ہو یا مظلوم۔ مظلوم کی مدد یہ ہے کہ اسے ظلم سے بچایا جائے اور ظالم کی مدد یہ ہے کہ اسے ظلم سے باز رکھا جائے۔
- ایک مومن دوسرے مومن کا گویا آئینہ ہے، اگر کسی میں کوئی نقص ہو تو دوسرا اسے (خوش اسلوبی سے) آگاہ کر دے۔
- جس نے اپنے بھائی کا عیب چھپایا، خدا اس کا عیب چھپائے گا۔
- آپس میں ہدیہ دیا کرو کہ اس سے محبت پیدا ہوتی ہے۔
- ایمان کے بعد افضل ترین نیکی اللہ کی مخلوق کو آرام پہونچانا ہے۔
- شرک کے بعد بدترین معصیت، خلقِ خدا کی ایذا رسانی ہے۔
- سب سے اچھا وہ انسان ہے جس سے انسانوں کو فائدہ پہونچے۔
- جس نے ہمارے چھوٹوں پر مہربانی نہ کی، ہمارے بڑوں کی توقیر نہ کی وہ ہم سے نہیں۔
- جس نے اپنے کسی بھائی کی حاجت روائی کی، قیامت کے دن خدا اس کی حاجتیں بر لائے گا۔
- غریبوں کی خدمت کرنے والا (اجر و ثواب میں) صائم النہار اور قائم اللیل کے برابر ہے۔
- تم زمین والوں پر مہربانی کرو۔ آسمان والا تم پر مہربان ہوگا ؎

کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر ❊ خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر
(حالیؔ)

- جو رحم نہیں کرتا، اس پر رحم نہیں کیا جائے گا۔
- میری امت میں اچھے لوگ وہ ہیں کہ جنھیں غصہ آتا ہے تو وہ اپنی طبیعت پر قابو رکھتے ہیں۔
- جو باوجود حق پر ہونے کے لڑائی جھگڑے سے بچنے کے خیال سے اپنے حق سے دست بردار ہو گیا میں اس کے جنتی ہونے کا ضامن ہوں۔
- مسلمان کو حق کی حمایت میں غصہ جلد آ جاتا ہے اور وہ راضی بھی جلد ہو جاتا ہے۔
- جو نیک راہ نکالے اور لوگ اس پر چلیں تو جتنوں نے اس کی پیروی کی (داعی الی الخیر) کو اُن سب کا بھی ثواب ہو گا۔ اسی طرح جو بُری راہ نکالے گا تو خود اپنا گناہ تو ہو گا ہی، جتنوں نے اس کی پیروی کی ان کا بھی گناہ اس پر لادا جائے گا۔
- جو دکھانے اور سنانے کے لئے کوئی کام کرے گا تو اللہ تعالیٰ بروزِ حشر اس کے عیب سنوائیں گے، اس کے عیب دکھلائیں گے۔
- بروزِ حشر وہی سب سے زیادہ بے خوف ہوگا جو آج سب سے زیادہ خدا تعالیٰ سے خائف ہے۔
- بیچارہ آدمی اگر جہنم سے اتنا ڈرنے لگے جتنا تنگدستی سے ڈرتا ہے تو اس پر جنت کے دروازے کھل جائیں۔

کے نصاب میں دینی علوم کو اہم ترین درجہ اور دینی مقام دیا گیا اور جنہیں "علوم نافعہ" مقصود بالذات ہے۔ ندوہ کے عربی نصاب کا جائزہ لیجئے تو اس میں سب سے پہلے قرآن مجید کا ترجمہ و مختصر ضروری تفسیر کا آغاز درجہ پنجم عربی ہی سے ہو جاتا ہے۔ درجہ پنجم سے درجہ ہشتم عربی تک قرآن مجید کی منتخب سورتیں داخل نصاب ہیں۔ ان سورتوں کے انتخاب میں طلباء کی عمر، استعداد اور درجہ کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے اس طرح چار سال میں طالب علم مکمل قرآن مجید کا ترجمہ مع تفسیر ختم کر لیتا ہے اور اس میں اتنی استعداد پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ دو ہی سال میں تفسیر جلالین کا بذات خود مطالعہ کر کے امتحان دیتا ہے —— درجہ نہم میں تفسیر بیضاوی اور درجہ دہم میں زمخشری کی کشاف داخل نصاب ہے۔ پھر طرز تعلیم کی خصوصیت یہ ہے کہ طلباء استاذ کی نشاندہی و رہنمائی سے یا بطور خود ان تفسیروں کے علاوہ بھی دیگر تفسیریں اور معاون کتابیں دیکھتے ہیں اور ان سے بخوبی استفادہ کر سکتے ہیں۔

حدیث کی تعلیم کا آغاز بھی درجہ پنجم عربی سے امام نووی کی مشہور کتاب "ریاض الصالحین" سے ہو جاتا ہے، عبادات، معاملات، دعوت و تذکیر اور اسلامی اخلاق و معاشرت کے مفید مضامین پر مشتمل مستند احادیث کے اس منتخب مجموعہ کو پڑھ کر ایک طرف تو علم حدیث کا تعارف اور اس سے مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور دوسری جانب تعمیر سیرت میں یہ مجموعۂ احادیث زندگی بھر کارآمد اور رہنما ثابت ہوتا ہے اس کے بعد درجہ ہشتم عربی سے آخر تک مشکوٰۃ شریف، ترمذی، ابوداؤد، مسلم شریف، بخاری شریف، موطا امام مالک، غرض صحاح ستہ مکمل داخل نصاب ہے اور احادیث کو عصر حاضر میں بہتر طریقے سے سمجھنے اور سمجھانے کی غرض سے اس موضوع پر بعض جدید کتابیں مطالعہ میں ہیں جن کا امتحان بھی ہوتا ہے —— ایک خاص بات یہ کہ تمام کتب احادیث ایک یا دو سال میں پڑھانے کے بجائے (جس میں ابتدائی چند اسباق کے علاوہ عام طور پر سرسری عبارت خوانی ہوتی ہے) انہیں تدریجاً پانچ سال میں پورا کیا جاتا ہے، پھر حدیث کا طریقہ درس ایسا ہوتا ہے کہ طالب علم علم حدیث حاصل کرتے ہوئے یہ محسوس کرتا ہے کہ اسلامی لٹریچر کا یہ وسیع اور گرانقدر ماخذ انسان کی انفرادی و اجتماعی زندگی کے ہر گوشہ میں رہنمائی کر سکتا ہے —— حدیث کا وہ طریقہ درس ندوہ میں مقبول نہیں کہ جس میں آمین بالجہر، رفع یدین، قرات خلف الامام اور اسی قسم کے دیگر فقہی اختلافات پر ضرورت سے زیادہ بحثوں تقریر ہو اور جہمیہ، مرجیہ، قدریہ، خوارج اور معتزلہ جیسے گمراہ فرقوں کے ابطال پر تو بحثوں تک بحث و تقریر ہو جن کا آج وجود بھی نہیں اور اس کے برعکس آج کے دور میں احادیث نبوی سے جو رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے اس کی طرف اشارہ بھی نہ ہو حتیٰ کہ اس کا احساس و شعور تک پڑھنے اور پڑھانے والے دونوں میں پیدا نہ ہو۔

ندوہ میں فقہ کی تعلیم درجہ سوم ہی سے شروع ہو جاتی ہے۔ اس سال نور الایضاح پڑھائی جاتی ہے، درجہ چہارم میں قدوری ... مختصر ... ملا علی قاری داخل نصاب ہے (یہ کتاب شرح وقایہ کا بہترین بدل ہے مولانا اعزاز علی صاحب اس کتاب کی اکثر تعریف فرمایا کرتے تھے۔ موصوف نے اس پر حاشیہ بھی لکھا ہے۔ اس کے بعد فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ اولین و آخرین مکمل داخل نصاب ہے۔ علم فقہ کی تاریخ اور فقہ کے چاروں مکاتب فکر کو جدید نقطۂ نظر اور عصری اسلوب میں سمجھنے کے لئے

بعض نئی عربی تصانیف مثلاً "الاختلاف فی مذاہب الاربعہ" "بدایۃ المجتہد" اور "تاریخ التشریع الاسلامی" وغیرہ مطالعہ میں داخل ہیں نیز اصول تفسیر، اصول حدیث اور فقہ کی مستند و معروف کتابیں داخل نصاب ہیں۔

قرآن مجید، حدیث، فقہ اور تمام علوم میں تعلیم و تدریس کا جو طریقہ ندوہ میں ہے اس سے طلباء میں از خود مطالعہ کا ذوق پیدا ہو جاتا ہے، داخل نصاب کتابوں کے علاوہ اسی موضوع کی دیگر اہم اور مفید کتابوں سے واقفیت اور ان سے بلا واسطہ استفادہ کا رواج دور تعلیم ہی میں شروع ہو جاتا ہے۔ ذوق مطالعہ، وسیع النظری اور علم کی روح اور شریعت کے مقصد تک رسائی میں یہ طریقہ درس انتہائی مدد و معاون ثابت ہوتا ہے، اور اس کے نتیجہ میں "اسلام" ہر دور میں انسانیت کی رہنمائی کر سکتا ہے، یہ یقین پڑھنے والوں میں پیدا ہو جاتا ہے۔ ندوی طلباء اپنے دور طالب علمی ہی میں ان متعدد تفاسیر، شروح احادیث اور مختلف علوم و فنون کی کتابوں سے واقف ہو جاتے ہیں جن کا علم بعض مدارس کے فضلاء کو عرصہ تک نہیں ہوتا اور یہ بیچارے ان کے نام تک سے ناواقف رہتے ہیں۔

اسرار شریعت، عقائد اور علم کلام میں اہم اور مستند کتابیں داخل ہیں مثلاً حجۃ اللہ البالغہ، العقیدۃ الحسنہ، شرح فقہ اکبر وغیرہ ان کے علاوہ مطالعہ میں بھی کئی کتابیں ہیں جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔

سیرت نبوی سے صحیح اور مستند واقفیت کے لئے سیرۃ النبی ابن ہشام داخل درس ہے جو اپنے سادہ ادبی اسلوب، خالص عربی طرز تحریر اور سیرت کے موثر واقعات میں منفرد ہے اس کے علاوہ مکمل تاریخ اسلام بھی داخل درس ہے۔ تاریخ کا ضروری علم و مطالعہ خود حدیث کے لئے ناگزیر ہے ایک عالم دین کی اسلامی تاریخ سے ناواقفیت کس قدر حیرت اور افسوس کی بات ہے۔ انگریزی، ہندی، جغرافیہ، تاریخ، جغرافیہ، سائنس، معاشیات، سیاسیات، منطق و فلسفہ کے معتدبہ کورس کے ساتھ دینیات کا اس قدر جامع اور طویل نصاب کسی بھی درسگاہ میں نہیں۔

علوم دینیہ قرآن، حدیث، فقہ میں ندوی فضلاء کے فہم و بصیرت کی شاہد وہ سیکڑوں کتابیں اور ہزاروں مضامین ہیں جو ان کے قلم سے نکلے، نیز ہند و بیرون ہند کے وہ سیکڑوں فضلاء ہیں جنہیں ان سے شرف تلمذ حاصل ہے۔

اردو و عربی زبان و ادب میں ندوی فضلاء کی شہرت اور مقبولیت کا یہ مطلب نہیں کہ علوم قرآن، حدیث اور فقہ میں ان کی بصیرت نام اور واقفیت معدوم ہے۔ عربی زبان و ادب کی تعلیم کا جو طرز ندوہ میں ہے اس میں بھی اس کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے کہ اس کے ذریعے مطالعہ میں وسعت پیدا ہو اور ایسی استعداد پیدا ہو جائے کہ نصاب کے علاوہ کتابیں بھی بخوبی سمجھ میں آ جائیں کیونکہ نصاب اصلاً مزید مطالعہ کے لئے ایک ذریعہ ہوتا ہے مقصود بالذات نہیں، جب تک عربی زبان میں مہارت اور عربی زبان کے مختلف ادوار، اسالیب بیان اور طرز تحریر سے واقفیت نہیں ہوگی، اس وقت تک کتب خانہ سے کما حقہ استفادہ ممکن نہیں۔ بلکہ ذوق مطالعہ کا تمام انحصار ندوہ نصاب تعلیم اور موثر طریقہ درس پر ہے۔

مولانا شبلی نعمانیؒ اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

"قدیم نصاب میں ادب اور لٹریچر کا حصہ نہایت کم ہے، حالانکہ ادب کے بغیر تفسیر، حدیث، اصول فقہ کسی چیز میں کمال حاصل نہیں ہو سکتا۔"

(مقالات شبلیؒ)

دینی علوم ہی میں بصیرت اور مہارت کی غرض سے عربی زبان کی ایک زندہ زبان کی حیثیت سے تعلیم کو بد قسمتی اور کم فہمی کی بنا پر یہ سمجھا جانے لگا کہ مقصود صرف عربی زبان میں مہارت ہے اور بس، حالانکہ نہ یہ بانیان ندوۃ العلماء کا یہ مقصد تھا اور نہ ہی اس کے موجودہ کارپردازوں کا یہ مقصد و رجحان ہے، ندوۃ العلماء کے موجودہ ناظم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (جو عربی کے صف اول کے مصنف، ادیب اور انشاء پرداز ہیں) نے بارہا اپنی تقریروں میں یہ اعلان فرمایا کہ:

"صرف عربی سیکھنا ہمارا مقصد نہیں یہ ہمارے لئے کوئی امتیاز، فخر اور سعادت کی بات نہیں کیونکہ عربی زبان مشرق وسطیٰ کے عیسائی اور یہودی ہم سے زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ ہمیں عربی زبان کو ایک ترقی پذیر زندہ زبان کی حیثیت سے حاصل کرنا اس لئے ضروری ہے کہ ہمارے تمام دینی لٹریچر اور اسلامیات کا اصل ماخذ عربی زبان میں ہے قرآن مجید، حدیث نبوی، فقہ اسلامی اور ہمارے تمام اسلاف کے علمی سرمائے سے استفادہ اور عصر حاضر میں اسے پُرزور، مدلل اور موثر طریقہ سے پیش کرنے کی غرض سے ہمیں یہ سیکھنی ہے —— عربی زبان ہمیں اس لئے محبوب و مطلوب ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جو عالم انسانیت کی ابدی رہنمائی کے لئے آیا ہے۔ رسول اللہ صلعم کی وہ تعلیمات ہیں جن کی پیروی میں انسانوں کی فلاح اور نجات ہے۔ عربی کو ہم عصری اسلوب میں سمجھنے، بولنے اور لکھنے پر اس لئے بھی زور دیتے ہیں کہ مشرق وسطیٰ کے وہ عرب جن کے آباء اجداد کے ذریعہ اسلام جیسی نعمت ہمیں میسر ہوئی آج قوم پرستی، وطن دوستی، نسلی عصبیت، مغرب زدگی اور الحاد و بے دینی کی راہ پر سرپٹ دوڑ رہے ہیں، ہمیں اس زبان میں کمال حاصل کر کے ان عربوں کو ان کا وہ بھولا ہوا سبق یاد دلانا ہے جنہیں ان کے آباء و اجداد نے ہمیں سکھایا ہے۔ ہماری یہ کوشش اگر کسی درجہ میں بھی ان کو اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی میں قرآن کی طرف پھیرنے اور خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پرچم تلے متحد کرنے میں معاون ثابت ہوئی تو ہم سمجھیں گے کہ ہم نے اس مبارک زبان کو سیکھنے کا کچھ حق ادا کر دیا۔"

ندوۃ العلماء کے بانیان اور کارکنوں کے درج بالا مقاصد اور نیک خواہشات کے علم اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے نصاب تعلیم سے تفصیلی واقفیت کے بعد بھی اگر کسی فرد یا گروہ کی طرف سے ندوہ کے متعلق اس رائے کا اظہار ہوتا ہے کہ:

"ندوہ میں صرف کچھ اردو عربی وغیرہ لکھنا پڑھنا آ جاتا ہے، دینی علوم اور دینداری سے کوئی تعلق نہیں۔"

تو یہ بات مضحکہ خیز اور عجیب سی معلوم ہوتی ہے۔

"انسانی محبت ان تک پہونچنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا فسادات میں کرفیو ضروری ہوتا ہے"

مکرمی!

السلام علیکم

امید ہے بخیر و عافیت ہوں گے۔ تحریک حلقۂ پیام انسانیت کی آئندہ کارکردگی کی خلوا پڑھوں گی، نیز اب تک کا طریق کار کیا متعین ہوا ہے؟ اس سے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے میں ایک عریضہ ارسال کر چکا ہوں، جواب میں آپ نے "تعمیر حیات" کا خاص نمبر دسمبر ۱۹۶۹ء اور ۱۰ جنوری ۱۹۷۰ء کا پرچہ تحفۃً ارسال فرمایا چشم ما روشن دل ما شاد۔ آپ کا شکر گذار ہوں۔ حلقۂ پیام انسانیت سے متعلق کوئی صحت افزا خبر کے لئے بے چینی سے چشم براہ منتظر ہوں۔

خدا شناسی، Morality، خلوص کردار اور اعلیٰ اقدار کی تجدید ہندوستان کی اولین اور اہم ضرورت ہے، ان اقدار کی بحالی کتنی ہی کی سعی لیکن یہ بھی ایک تاریخی صداقت ہے کہ ایسی کوئی تحریک صرف اسی سرزمین میں پنپ سکتی ہے اور پروان چڑھ سکتی ہے۔

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

اس دور پرفتن میں انسان کا انسان سے اور خدا سے رشتہ استوار کرنے میں یہی ملک دنیا کی امامت کی صلاحیت رکھتا ہے، قسمت سے محترم علی میاں صاحب اور دیگر درد مند اور مخلص حضرات کی سرپرستی تحریک پیام انسانیت کو میسر ہے اس لئے راستہ کٹھن اور سنگلاخ ہو تھوڑی محنت، ہمت اور مسلسل رفتار و گفتار سے کام لیا جائے تو ان شاء اللہ من جانب اللہ برکتوں کا نزول ہوگا۔ میری دلی تمنا ہے کہ میں اپنی اوقات میں رہ کر کسی رتبہ اور آبرو کی خواہش کے بغیر تحریک کے کچھ کام آسکوں۔ گجرات میں اسی نوعیت کی انسان دوست تحریک کی شدید ضرورت ہے۔ یہاں روحانیت مفقود الخبر ہے۔ دنیوی اعتبارات کے لئے ناک چڑھ جانا عام ہے۔ ہر قدر کو چاندی کے گز سے ناپا جاتا ہے، آس اس لئے نہیں ٹوٹتی کہ بہر حال یہ گاندھی جی کا گجرات ہے۔ مرحومہ مردولا سارا بھائی کی جنم بھومی ہے اور سیکڑوں صوفیائے کرام کا مسکن و مدفن۔ تحریک سے متعلق ابتدائی معلومات حاصل ہوں تو مزید کچھ عرض کر سکوں گا۔

ساتھ میں ایک خط ارسال کر رہا ہوں جو ۷ نومبر ۱۹۶۹ء کو National Integration Committee کے اجلاس میں پیش کرنے کے لئے لکھا تھا، اس سے آپ اندازہ فرما سکیں گے کہ انسان دوستی کی دُھن کا میں دائم المریض ہو چکا ہوں۔

اگر خط کسی قابل ہو تو مضمون کی شکل میں "تعمیر حیات" میں شائع فرمائیں۔ حسب حال قطع و برید آپ کا حق ہے۔ والسلام

خاکسار

سعید ادر گامی، احمد آباد

مجھے فطرت نوا پر پے بہ پے مجبور کرتی ہے
ابھی محفل میں ہے شاید کوئی درد آشنا باقی
(اقبالؒ)

سوچتا ہوں اب حکومت، قوم کے سلیم الذہن افراد اور مفکرین کے لئے وقت ہے کہ "سچ کو سچ" کی خاطر تلاش کریں۔ کوئی ایسے ذریعے اور واسطے تلاش کریں کہ سچ ہمارے دلوں کی دھڑکن بن جائے، سچ کے عنوان سے تقریریں کرنا، عہد نامے ترتیب دینا یا سچ کے نام سے کچھ ریکھا پر کھینچ دینا کسی طرح مفید ثابت نہیں ہوا، سچ کا جاپ کرنے سے ہمیشہ سچ مجروح اور گھائل ہوتا رہا ہے۔ انسان کی اہم ترین اور پہلی ضرورت سچ ہے لیکن انسان کی یہ کیسی دردناک کج بینی ہے کہ ہر دور میں اسی کو بڑی بے دردی سے ضائع کرتا رہا ہے

آج ہم ایک ایسے خطرناک موڑ پر کھڑے ہوئے ہیں کہ اجتماعی طور پر ہماری کوئی چھوٹی سی غفلت ہماری سالہا سال کی عظمت اور ثقافتی ورثہ کو پامال کر دے۔ کیا پھر ہم صرف خوش آئند خوش آواز جاری بھرکم الفاظ کے سہارے زندگی کرنا چاہیں گے؟

قوموں کی تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ صرف اخلاق کے ترانے الاپنے سے اخلاق کبھی پیدا نہیں ہوتے۔ سچ ہی ہماری جیون ڈور ہے تو پھر سچ کو کھوجنے کے لئے کوئی ٹھوس اقدام کیوں نہ کیا جائے؟ ہم آزما چکے ہیں یہ ہماری جانی پہچانی بات ہے کہ محبت اور پریم ہی انسانی کائنات کی آتما ہے۔ اسی کو ہم سچ کہہ سکتے ہیں یہی دین اور دھرم ہے۔ بقول اقبال

محبت ہی سے پائی ہے شفا بیمار قوموں نے

آسمانی مذہب روز اول سے آج تک ایک ہی آسمانی Message کی خبر دیتا ہے۔ پالنہار کی یہ کتنی حیرت انگیز صنعت گری ہے کہ مختلف زمانوں، زبانوں اور علاقوں میں نبی اور پیغمبر بھیجے اور تمام ایک ہی سُر میں انسانی محبت، اتحاد اور انسانی دھرم کا سبق دیتے رہے۔ دھرم کی زنجیر ایک تھی اور تمام آسمانی کتابیں اسی ایک زنجیر کی یکساں قسم کی کڑیاں تھیں۔

جو دھرم ہم کو جوڑنے کے لئے آیا تھا اسی سے ہم نے توڑنے اور بچھڑنے کا کام لیا۔ ہماری جادوگری نے ایک کو انیک کر دکھایا۔ ہر کڑی کو زنجیر سے کاٹ کر ایک الگ اور انوکھا Association ثابت کرنے کی ... انکار بچھاڑ میں اپنی صلاحیتوں اور شکتیوں کو برباد کر کے نفرتوں کے بیت ناک صور کو اپنی چادروں میں سمیٹ کر روتے گڑگڑاتے رہے لیکن پھر بھی اس نشے میں چور کر جو پانا تھا وہ پا لیا ... مل گیا حق ہمارے ساتھ ہے۔ بھولی کا ... ایک ... اندازِ گفتگو نے اصول دے دیے ہیں ... ہر جگہ ... بوجھل کی چمک ہے سچ کا ایک ہی سادہ سا مگر رنگین روپ ہے، سچ آپ ہی اپنی دلیل ہے بشرطیکہ وہ ہماری Fashionable اور فلسفیانہ باریک بینی اور لفاظیوں سے بچ سکا ہو۔ دھرم کا ایک ہی سادہ سا پیغام تھا لیکن فلسفہ اور زبان و بیان کی شیشہ گری برابر اس کی لیپا پوتی کرتی رہی اور اس غریب کو انجینی اور عجائبات کا ایک بے پایاں دفتر بنا کے چھوڑا۔ دھرم کے بارے اس دلیل ہی سب سے بڑا مجروح اور مظلوم خود دھرم ہے

بشر کو مشعل ایمان سے آگہی نہ ملی
دھواں وہ تھا کہ نگاہوں کو روشنی نہ ملی

قرآن نے تمام پیغمبروں کو مانا اور تصدیق کی، یہ تصدیق Confirmation خود اس بات کی دلیل ہے کہ یہ سب آپس میں ایک دوسرے کو جانتے تھے اور ایک ہی راز کے رازداں تھے سب کا ایک ہی مت اور دھرم تھا۔

اوپر جو عرض کیا وہ قرآن کی تعلیمات اور روشنی کے تحت عرض کیا ہے۔ قرآن کے ماننے والے بہت سے مفکرین (Thinkers) نے قرآن کے اس Tone کو سمجھے سمجھانے کے بڑی دردمندی سے جتن کئے لیکن ذہنی طور پر جذبات میں کچھ ہلچل پیدا کرنے کے سوا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ قرآن نے جگہ جگہ تمام پیغمبروں اور آسمانی کتابوں کی ہی اور صاف طور پر تصدیق کی ہے۔ قرآن خود کے لئے اعلان کرتا ہے کہ وہ پالنہار کے سلسلہ وار پیام کی ایک اور کڑی ہے۔ قرآن نے زمان و مکاں میں پھیلی ہوئی مذہب کی اسی دھارا کو کئی مقامات پر کھلے الفاظ میں Confirm کیا ہے۔ قرآن نے اپنے اس مخصوص Tone میں کسی جگہ شک پیدا ہونے کی گنجائش باقی نہیں رکھی۔ فی الوقت ایک آیت پیش کرتا ہوں۔

"لکل امۃ جعلنا منسکا ھم ناسکوہ فلا ینازعنک فی الامر وادع الیٰ ربک ط انک لعلیٰ ھدی مستقیم ؕ"

مفہوم: (لوگو! ہم نے ہر امت کے لئے پالنہار کی بندگی کا ظاہری نشان مقرر کر دیا ہے (لیکن اصل قانون سب کے لئے ایک ہے) تو لوگوں کو چاہیے کہ اصل قانون کے متعلق تم سے کوئی جھگڑا نہ کریں۔ تم سب دنیا کو اپنے پالنہار کی طرف بلاؤ، بیشک تم سیدھی راہ پر ہو۔)

اس تحریر کا مقصود یہ تھا کہ ایک تجویز پیش کروں۔ ڈرتا ہوں کہیں چھوٹے منہ بڑی بات نہ ہو جائے۔ درد کی شدت کوئی نہ کوئی بات کہلوا دے لیکن اس امید پر کہ عظیم ہستیوں کی یہ عظمت ہے کہ کم مایہ لوگوں کو معاف کر دیں۔

دھرم دانوں کا ایک ہی طریقہ تھا کہ لوگوں کو سچ کی تعلیم دیں، Educate کریں لیکن

ایک بہت بڑی طاقت در د مندی، پریم اور تیاگ کی ان کے ساتھ تھی وہ صرف تعلیم دیتے تھے بلکہ سچ کر دکھاتے تھے۔ لیکن وہ بھی وقتی طور پر کامیاب ہوئے۔ جب تک لوگوں کے ذہنوں میں کسی دھرم کے ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ کی تصویر بنی رہی، لوگ دھرم پر دل و جان سے قائم رہے۔ شخصیت کے نشان اوجھل ہوتے ہی لوگوں کے دلوں سے دھرم کی لگن ختم ہو گئی۔ اور ایک Association بنا کر بیٹھ رہے۔

ہر دور میں پاک طینت Reformers پیدا ہوئے لیکن ان کی کارکردگی بھی کچھ نئے Associations بنانے سے زیادہ کچھ نہ کر سکی۔ آج ہم بہت کچھ کر سکتے ہیں، اور Association کی چھاپ سے محفوظ بھی رہ سکتے ہیں۔ ہمارے پاس اَن گنت وسائل ہیں، عظیم تعلیمی ذرائع ہمارا ہاتھ بٹا سکتے ہیں۔ پھر حالات اتنے ابتر ہوتے جا رہے ہیں کہ construction کے ساتھ تخریب destruction بھی جاری ہے اور تخریب کی رفتار اتنی تیز کہ کئی سال کی تعمیر چند گھنٹوں میں ویرانۂ عبرت بن جائے۔ اتنا بڑا دکھ اور اتنے سارے لوگ مل کر کبیر اور نانک جیتنی درد مندی پیدا نہیں کر سکتے، دلوں کو بدلنا محبت کے ‌‌‌‌‌‌ بل سے فائدہ اٹھانا

سچ جو ایک ہی ہے اس کی کھوج کرنا بھارت کے لئے پہلے کبھی اتنا ضروری نہیں تھا جتنا آج ہے۔ یہ تجربے کی بات ہے کہ ہم کردار اور دھرم کے متعلق تقریریں کریں۔ ریڈیو یا فلموں میں مختلف انداز سے سمجھاتے رہیں یا چھوٹے موٹے مرکز قائم کر لیں تو اتنی سی دیر کے لئے جتنی دیر شبد چل رہے ہیں۔ جذبات میں لہریں پیدا کر سکتے ہیں۔ شبد ختم ہوئے لہریں بھی رخصت۔ لہروں کو مستقل اور ‌‌‌‌‌‌ رکھنے کے لئے ایک کشادہ اور لمحہ بہ لمحہ بڑھتا ہوا صداقت کی لگن میں کھلا ہوا ساگر تیار کرنا ہوگا جہاں مذہب انسانیت کی لہریں ہر دم رواں و جواں رہیں اور دلوں کے تاروں کو جھنجھناتی رہیں۔

قانون قدرت کی ایک راگنی، انسانی اخوت کا ‌‌‌‌‌‌ ہماری نئی نسل کے لئے بے حد ضروری ہے، نفرت کے زہر کو بڑے چاؤ سے انہوں نے قبول کیا ہے پھر کوئی وجہ نہیں کہ ‌‌‌‌‌‌ کو قبول نہ کریں بشرطیکہ کوئی ان کے پاس پہنچا ہی نہیں۔ انسانی

محبت کا دھرم ان تک پہونچانا اتنا ہی ضروری ہے جتنا فسادات میں کرفیو ضروری ہوتا ہے یہ علم سائنس یا ٹکنالوجی سے زیادہ ضروری ہے اور اس کی کامیاب ترین صورت یہ ہے کہ بھارت کی تمام Universities میں کوئی مناسب طریقہ پر تمام پہلوؤں پر اچھی طرح غور کر کے Compulsory Subject تک پڑھایا جائے Subject حاصل کرنے میں اس Division کے نمبروں کا شمار کیا جائے۔ Subject کے آتے ہی اس کی اہمیت لوگوں پر واضح ہو جائے گی۔ مجھے امید ہے اس تحریک کا بھارت بھر میں بڑے جوش و خروش سے استقبال ہوگا۔ آپ نے اگر اس معاملے میں توجہ فرمائی اور اپنے اثر و رسوخ کو کام میں لا کر اس تحریک میں زندگی پیدا کی تو پوری قوم جی اٹھے گی۔ اور پشتہا پشت تک قوم آپ کی مسیحائی کی نیاز مند رہے گی۔ اگر M.A. Level تک Optional رکھا جائے تو بڑے قابل قدر اور حیرت انگیز طور پر مفید نتائج حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ میری معلومات کے مطابق امریکہ کی کچھ Universities میں مشرقی علوم پر Research Institutes موجود ہیں تو پھر مشرق کے چراغ تلے اندھیرا نہیں ہونا چاہئے اگر اس سے Subjects بڑھ جانے کا اندیشہ ہو تو General Education اس مد میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ بہرحال یہ علم Technical علوم سے بھی زیادہ ضروری ہے اور زیادہ عرصہ تک اس بات کو نظر انداز کرنا ہمارے لئے بے حد نقصان دہ ہے۔ چیزوں کو بنانے کے مقابلے میں سنوارنے اور جو ہے اسے بنائے رکھنے کی اہمیت کسی طرح کم نہیں۔

ایک بات اور عرض کر دوں کہ یہ معاملہ جتنا اہم ہے اتنا ہی نازک بھی ہے۔ غیر ذمہ داری، تنگ نظری اور جذباتیت کی اس میں لمحہ بھر کے لئے بھی گنجائش نہیں۔ اس جگہ میں اہل فکر، درد مند اور پاک طینت افراد ہی کی عملداری چل سکتی ہے۔ امید ہے ایسے پاک باطن افراد کا اکا دکا ہی سماج میں ضرور مل رہیں گے۔

نعت

از: ———— (طفیل احمد مدنی)

ہر نفس ہے جادۂ اسلام تیرے شہر میں
ذرہ ذرہ مہبطِ اسلام تیرے شہر میں

اے کہ تیری ذات سے روشن ہے بزم کائنات
کیوں نہ ہوں پر نور صبح و شام تیرے شہر میں

از نگاہِ اہل باطن سے کبھی مخفی نہ تھا
رحمتوں کا ہے نزول عام تیرے شہر میں

اس جگہ تفریق رنگ و نسل و ملت کچھ نہیں
میکشوں کو ہے صلائے عام تیرے شہر میں

جس کو پی کر ہو گئے کتنے جنید و بایزید
آج بھی گردش میں ہے وہ جام تیرے شہر میں

بادۂ عرفان حق، امن و امان، لطف و کرم
ملتے ہیں انعام پر انعام تیرے شہر میں

پھر نہ پیدا کر سکی دنیا کوئی اس کا جواب
ساتھ تیرے جو رہا اک شام تیرے شہر میں

ہے یقیناً یہ ترے کردار و عظمت کا ثبوت
آج تک ناپید ہیں اصنام تیرے شہر میں

اے کہ تیری ذات اقدس حاصل کون و مکاں
میں بھی ہوں منجملہ خدام تیرے شہر میں

دیکھئے ہوتی ہے کب مقبول میری یہ دعا
پھر سے گزریں میری صبح و شام تیرے شہر میں

منتظر کب سے ہے پھر اذنِ حضوری کا طفیل
کاش کہہ دے کوئی یہ پیغام تیرے شہر میں

آرزوئے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

از: ———— (حامد القادری بارہ بنکوی)

کم نظر کرتے نہیں ہیں آرزوئے مصطفےٰ
وہ ہیں خوش قسمت جنہیں ہے جستجوئے مصطفےٰ

کوثر و تسنیم کو ہرگز نہ کرتے ہم تلاش
کاش مل جاتا ہمیں آب وضوئے مصطفےٰ

حور و غلمانِ بہشتی پر نظر جمتی نہیں
جب سے آنکھوں میں بسا ہے جو بروئے مصطفےٰ

شانِ محبوبی کی ہوگی اس سے زیادہ کیا دلیل
گفتگو اللہ کی ہے گفتگوئے مصطفےٰ

اسکی ضو سے آج بھی روشن ہے بزم کائنات
تا ابد روشن رہیگی شمع روئے مصطفےٰ

گلستاں کی زیب و زینت فیض پائے ناز ہے
ہر گل و غنچہ ہے مظہر رنگ و بوئے مصطفےٰ

چھوڑ کر دیوانے اے دل ذرا ہوشیار ہو
اب دھڑکنا بھی ادب ہے یہ ہے کوئے مصطفےٰ

حد سے زائد کھا چکے ہیں دربدر کی ٹھوکریں
کاش اپنا لیں مسلماں اب بھی خوئے مصطفےٰ

موت تو برحق ہے حامد کاش آئے اسطرح
رخ ہو کعبے کی طرف اور دل ہو سوئے مصطفےٰ

استانیوں کی ضرورت ہے پڑھی لکھی بچیوں کو قرآن و حدیث کی تعلیم دینے کے لئے استانیوں کی ضرورت ہے۔ مناسب تنخواہ، سفر خرچ کے ساتھ رہائش کا انتظام مدرسہ کی طرف سے ہوگا۔ تفصیلات کے ساتھ درخواست بھیجیں۔
(محی الدین قریشی، غریب خانہ نوابت کالونی ‌‌‌‌‌‌)

محمد نعیم صدیقی ندوی (علیگ)

مولانا عبد الباری ندوی

تلامذۂ شبلی کی بزم درخشاں کا ایک درخشاں جو موت سے ٹمٹما رہا تھا گزشتہ دنوں چمنستان روزگار کی لوٹتی بہاریں دیکھ کر ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا۔ مولانا عبد الباری ندوی نے ۹۰ سال کی عمر میں اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ دار العلوم ندوہ نے اپنے دور اول میں جتنے نامور اور باکمال فرزند اور علم و دین کے مخلص خادم پیدا کئے ان میں مرحوم کو بہت نمایاں حیثیت حاصل تھی۔ مبدأ فیاض نے ان میں علم و عمل، زہد و کمال اور فضل و ورع کی بہت سی خوبیاں جمع کر دی تھیں۔

امیٹھی ضلع لکھنؤ ان کا آبائی وطن تھا۔ کچھ اہل خاندان ستر کہ میں بھی آباد ہو گئے تھے ان کے والد کے بڑے بھائی حکیم امجد علی اس جوار کے مشہور طبیب تھے۔ ان کے اثر سے مرحوم کے والد حکیم عبد الخالق صاحب گدیہ ضلع بارہ بنکی میں طبیب ریاست مقرر ہو گئے۔ وہیں ۱۸۸۹ء میں مولانا پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مولانا محمد ادریس نگرامی سے حاصل کی۔ پھر ۱۹۰۲ء میں ندوہ میں داخل ہوئے۔ علامہ سید سلیمان ندوی اس سے ایک سال قبل ندوہ آ چکے تھے۔ جلد ہی دونوں کے درمیان دوستی ہو گئی۔ بساط شبلی کی ہم نشینی نے اس دوستی میں مزید پختگی پیدا کی۔ حضرت سید صاحب ان سے پہلے فارغ التحصیل ہو گئے اور فوراً ہی ندوہ میں علم کلام اور جدید عربی کے استاد مقرر ہوئے۔ اتفاق سے ان کو تدریس کے لئے اعلیٰ درجات ملے۔ اس لئے مرحوم کو ان سے بھی اخذ و استفادہ اور تلمذ حاصل ہو گیا تھا۔ وہ سید صاحب کے تبحر علمی اور جامعیت و کمالات کے دل سے معترف اور قدرداں تھے۔

علامہ شبلی کی قدر شناس نگاہ ابتداء ہی میں اس جوہر قابل پر پڑی، اور انہوں نے ان کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ کی جس پر ان کے وہ خطوط شاہد ہیں جو مرحوم کے نام مکاتیب شبلی کی دوسری جلد میں شامل ہیں ان شفقت و محبت کی چاشنی بھی ہے اور علمی مشورے بھی۔ ندوہ سے فراغت کے بعد کچھ عرصہ تک انگریزی زبان اور فلسفہ جدید کی تحصیل میں مصروف رہے۔ اور ایسی صلاحیت پیدا کر لی کہ صاحب نظر فلسفی سمجھے جانے لگے۔ دار المصنفین قائم ہوا تو کچھ عرصہ یہاں رفیق کی حیثیت سے قیام کیا۔ پھر دکن کالج پونہ میں عربی و فارسی کے استاد مقرر ہوئے۔ اس کے بعد حیدرآباد میں جامعہ عثمانیہ قائم ہوئی تو وہاں شعبۂ فلسفہ میں ان کا تقرر ہوا اور بہت عرصہ تک فلسفہ کا درس دیتے رہے۔ آخر میں کئی برس شعبۂ دینیات کی خدمت بھی خوش اسلوبی سے انجام دی۔

مرحوم کی شخصیت قدیم و جدید کا سنگم تھی۔ نئے اور پرانے تعلیم یافتہ دونوں ان کا احترام کرتے تھے۔ فلسفہ اور علم کلام میں ان کی قابلیت مسلم تھی۔ ان فنون کے وہ نکتہ سنج ناقد بھی تھے اور دیدہ ور عالم بھی۔ مرحوم کا قابل ذکر وصف یہ ہے کہ انہوں نے عام روش کے برخلاف فلسفہ کو الحاد و تشکیک کی تبلیغ کا آلۂ کار بنانے کے بجائے اس سے اسلام کے دفاع اور مستشرقین کے رد کا کام لیا۔ بقول مولانا حبیب الرحمن خان شروانی۔

"فلسفہ مولانا عبد الباری ندوی کے ہاتھ پر کلمہ پڑھ کر ایمان لے آیا ہے۔"

وہ ایک مشاق استاد کے ساتھ اردو کے ایک بلند پایہ اہل قلم بھی تھے۔ انہوں نے ادب و انشاء اور تصنیف و تحریر کا سلیقہ علامہ شبلی سے سیکھا تھا۔ چراغ سے چراغ جلتا ہے اپنی فطری ذہانت اور طباعی سے اس میدان میں بڑے بڑے کار ہائے نمایاں انجام دئے۔ ایک زمانہ میں "عباری" کے مخفف نام سے ان کے فلسفیانہ مضامین معارف میں شائع ہوتے تھے اور صاحبان علم و ذوق سے داد حاصل کرتے تھے۔ استاذ الاساتذہ علامہ سید سلیمان ندوی نے سیرۃ النبی کی تیسری جلد میں جو معجزات پر مشتمل ہے مرحوم کے "معجزات اور فلسفہ جدیدہ" کے موضوع پر ایک باب لکھ کر شامل کیا جو نہ صرف جدید علم کلام کا بہترین نمونہ ہے بلکہ زبان و بیان اور طرز استدلال کے اعتبار سے بھی بہت اہمیت کا حامل ہے۔ دار المصنفین سے ان کو اس کی تاسیس کے وقت ہی سے بڑا قلبی تعلق تھا۔ وہ سالہا سال اس کی مجلس انتظامیہ کے رکن رہے جہاں سے ان کی کئی کتابیں شائع ہوئیں جو بلاشبہ مرحوم نے اپنی کتابوں کے ذریعہ اردو زبان کو علمی وقار عطا کرنے کے ساتھ اس کو فلسفہ و کلام کا سرمایہ دار بنایا ہے۔ اردو کی خالص ادبی حیثیت سے خدمت کرنے والے تو اس وقت بہت ہیں لیکن اس کو علمی، دینی اور تحقیقی ذخیرے سے مالا مال کرنے کا کام دار المصنفین کے نامور رفقاء و مصنفین نے غالباً سب سے زیادہ کیا ہے اور ان میں مولانا عبد الباری ندوی مرحوم کو ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔

فلسفہ کے ساتھ غیر معمولی شغف کے باوجود ان کے اندر شک و ارتیاب کی کیفیت کبھی نہیں پیدا ہوئی۔ البتہ منقولات کو اس طرح پیش کرتے تھے کہ عقلیت پسند بھی اس سے مطمئن ہو جائیں بقول خود "نقل کی کوئی بات عقل کی کسوٹی پر پوری اترے بغیر مان لینا بڑی بے عقلی جانتا تھا" لیکن پھر موہبت ایزدی سے ان میں بزرگ رست باطنی انقلاب رونما ہو گیا تھا، چنانچہ مولانا حسین احمد مدنی سے شرف بیعت حاصل کیا۔ اور ان کے بعد مولانا اشرف علی تھانوی کے زیر تربیت مدارج سلوک طے کئے اور خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ مرحوم کے والد بھی مولانا محمد نعیم فرنگی محلی سے بیعت اور مولانا تھانوی سے اصلاح و استفادہ کا تعلق رکھتے تھے۔ آخر میں مرحوم پر روحانیت اور اصلاح باطن کا رنگ اتنا گہرا ہو گیا تھا کہ لکھنؤ میں اپنی پرشکوہ کوٹھی "شبستان سعادت" کے ایک کمرے میں گوشہ نشین ہو کر گویا اقبال ان سنوتا کی عملی تفسیر بن گئے تھے۔ انہوں نے اپنے شیخ کے افکار، مواعظ اور تحریروں و تقریروں کو سلسلۂ تجدید دین کے نام سے کئی جلدوں میں نہایت سلیقہ و محنت سے مرتب کر کے ایک زندہ جاوید اور ناقابل فراموش کارنامہ انجام دیا ہے۔ ان کتابوں میں "جامع المجددین" بلاشبہ شاہکار کا درجہ رکھتی ہے۔ اس میں مرحوم نے اپنے شیخ کامل کی علمی و عملی اور اصلاحی و تجدیدی جامعیت کی تصویر پیش کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ مسلمانوں کی دینی و دنیوی ہر طرح کی فلاح و صلاح کا مدار پورا پورا اسلام ہی پر ہے۔

مرحوم مولانا عبد الباری ندوی کی علمی و تحقیقی تصنیفات کی فہرست مع سنین اشاعت درج ذیل ہے۔

مبادی علم انسانی ۱۹۱۰ء، مذہب و عقلیات ۱۹۱۹ء، برکلے ۱۹۱۹ء، علم الاخلاق ۱۹۲۳ء، حدیثہ نفسیات ۱۹۲۲ء، مقدمہ مابعد الطبیعات ۱۹۳۱ء، اخلاقیات ۱۹۳۳ء، طریق اور تفکرات ۱۹۳۳ء، فلسفۂ نامیت ۱۹۳۴ء، فہم انسانی ۱۹۳۹ء، عملی نباتات ۱۹۳۶ء، تجدید تصوف و سلوک ۱۹۴۹ء، جامع المجددین ۱۹۵۰ء، تجدید تعلیم و تبلیغ ۱۹۵۱ء، تجدید معاشیات ۱۹۵۵ء، تعمیر نظام صلاح و فلاح ۱۹۶۶ء۔

آخر زمانے میں مرحوم نے "مذہب و سائنس" کے نام سے ایک معرکۃ الآراء کتاب لکھی تھی۔ جو روحانیت اور مذہب کے سلسلہ میں سائنسی رویہ کی وضاحت کرتی ہے بقول ڈاکٹر رضی الدین صدیقی۔

"یہ اپنی نوعیت کی واحد کتاب ہے جو سائنس کی جدید ترین تحقیقات کا احاطہ کرتے ہوئے اس فلسفیانہ رویہ کی بھی نشاندہی کرتی ہے جس کو اب خود سائنس اور مغربی فلسفہ بھی قبول کرتا نظر آ رہا ہے۔"

مرحوم اپنے اخلاق و عادات کے لحاظ سے بھی سلف صالحین کا کامل نمونہ تھے۔ اودھ کے قدیم شرفاء کی روایتی خصوصیات ان کے خمیر میں شامل تھیں۔ راقم سطور کو اپنی ندوہ کی طالب علمی کے زمانے میں ان کی خدمت میں بارہا حاضری کی سعادت نصیب ہوئی ہے ان کی طبیعت میں حق پسندی بے حد تھی جس بات کو صحیح سمجھ لیتے اس کو بے جھجک کہتے، اور بلاخوف لومۃ لائم عمل کرتے۔ اس راہ میں کسی دوستی اور عزیزداری کی پرواہ نہ کرتے۔ میرے ساتھ ان کا برتاؤ ہمیشہ شفقت و محبت کا رہا۔ لیکن اس کے باوجود رفتار و گفتار اور وضع و لباس میں اگر کوئی کوتاہی محسوس کرتے تو سختی کے ساتھ تنبیہ بھی کرتے۔ گفتگو میں علم کا وقار اور دین کا اخلاص نمایاں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کو اعلیٰ علیین میں مقام بلند فرمائے۔

پرنٹر پبلشر مسئول سید محمد حسنی نے مطبع کے آفسیٹ پرنٹنگ پریس ندوۃ العلماء میں طبع کرا کر دفتر تعمیر حیات ندوہ لکھنؤ سے شائع کیا۔
اڈیٹر: اسحاق جلیس ندوی
کتابت: جلال الدین ندوی

ایک تاریخی انکشاف

ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان منافرت پیدا کرنے میں مرزا غلام احمد قادیانی کا زبردست کردار

شورش کاشمیری مرحوم

انگریز ہندوستان میں اپنی حکومت کا استحکام اسی میں پاتے تھے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں تصادم و اختلاف بڑھتا جائے، اور دونوں قومیں اپنے ہی ملک میں ایک دوسرے کی حریف ہوں۔ مرزا صاحب نے یہی کیا۔ انہوں نے مذہب کی بنیاد پر ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک دوسرے کے مقابلہ میں لا کھڑا کیا، آریہ سماج ہندو دھرم کی ایک پروگریسو تحریک تھی۔ اس کا مزاج اصلاحی تھا۔ لب لباب یہ تھا کہ ہندو خود ساختہ خرافات چھوڑ کر ویدوں کی طرف لوٹ جائیں۔ اس کے بانی سوامی دیانند سرسوتی گجرات کاٹھیاوار کے باشندہ تھے۔ انہیں سنسکرت اور مادری زبان کے سوا دوسری کوئی زبان نہ آتی تھی۔ وہ اردو، پنجابی، ہندی وغیرہ سے نابلد تھے۔ ان کی تحریک کو اپنے گھر جامنگر، گجرات اور کاٹھیاوار کے مقابلہ میں پنجاب کے ہندوؤں میں حد درجہ کامیابی ہوئی۔ جن لوگوں نے اس صوبے میں قومی تحریک کا علم اٹھایا اور برطانوی استعمار کے خلاف نبرد آزما ہوئے مثلاً لالہ لاجپت رائے، ڈاکٹر گوپی چند بھارگو، … بال وغیرہ وہ سب آریہ سماجی تھے، ہندوؤں کے نامور روزنامے بھی آریہ سماج کے پیروؤں کی ملکیت تھے۔ المختصر پنجاب کا تعلیمیافتہ ہندو زیادہ تر آریہ سماج کا کارکن تھا۔ مرزا صاحب نے سوامی دیانند کو اپنی ژاژ خائی کا ہدف بناتے ہوئے ویدوں سے متعلق لکھا ہے کہ:

"اس قدر تو لغو بیانی مجانین اور مسلوب الحواس کے کلام میں بھی نہیں ہوتی" مزید لکھا کہ ہندوؤں کا پرمیشر آپ ہی لوگوں کو بدفعلی اور پلیدی میں ڈالنا چاہتا ہے"۔

تکذیب براہین کے صفحہ … پر تحریر کیا۔

"دہریوں کے بعد تمام دنیا میں آریوں سے بدتر اور کوئی مذہب نہیں"۔

سوامی دیانند، مرزا صاحب کی دعوت مباہلہ پر گورداسپور آ گئے اور بہت دن تک ٹھہرے لیکن مرزا صاحب مقابلہ میں نہ آئے۔ پھر سوامی صاحب امرتسر آ گئے۔ مرزا صاحب کو انکے دعوئی نبوت کا جواب لکھا کہ خدا کے واسطے آئیے اور گفتگو فرمائیے، لیکن مرزا صاحب کو سامنے آنے کی جرأت ہی نہ ہوئی۔ سوامی دیانند ۳۰ اکتوبر ۱۸۸۳ء کو انتقال کر گئے تو مرزا صاحب نے براہین احمدیہ میں انکی تاریخ وفات فخر و مباہات سے پیشگوئی کے طور پر درج کی جس سے آریہ سماج کے رہنما چڑ گئے اور انہیں مرزا صاحب کی تعلّیوں پر غصہ آ گیا۔

سوامی صاحب کی واحد تصنیف ستیارتھ پرکاش پہلی دفعہ ۱۸۷۵ء میں براہین احمدیہ سے پانچ چھ سال پہلے چھپی۔ اس کے ناشر راجہ جے کشن داس بہادر سی۔ ایس۔ آئی (بنارس) تھے۔ تب اسمیں صرف بارہ باب تھے، لیکن تیرہواں اور چودھواں باب نہ تھا۔ جب مرزا صاحب نے آریہ سماج کے خلاف گندی زبان استعمال کی اور سوامی دیانند کی موت کو اپنی پیشگوئی کا حاصل قرار دیا تو ستیارتھ پرکاش میں تیرہویں اور چودھویں باب کا اضافہ کیا گیا، انکا مصنف کوئی اور تھا۔ اس نے قرآن و اسلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دشنام و اتہام اور خرافات و ہفوات کا انتہائی دل آزار سواد تحریر کیا۔ ممکن تھا آریہ سماجی یاوہ گوئی سے احتراز کرتے، لیکن مرزا صاحب اس سارے کے دھرے کے مسئول تھے انہوں نے آریوں کو اس طرز کلام کا چسکا ڈالا اور وہ گالی دینے میں کھل گئے۔ جب مرزا صاحب کو خود علماء نے ٹوکا تو انہوں نے ازالۂ اوہام میں لکھا کہ:

"سارا قرآن شریف گالیوں سے پُر ہے۔ قرآن پاک میں کفار کو شر البریہ قرار دیا اور تمام رذیل و پلید مخلوقات سے بدتر ظاہر کرنا دشنام دہی میں داخل نہیں؟"

یہ ایک طویل اقتباس کی تلخیص ہے مزید لکھا ہے کہ "قرآن شریف جس آواز بلند سے سخت زبانی کے طریق کو استعمال کر رہا ہے۔ ایک غایت درجہ کا غبی اور سخت درجہ کا نادان بھی اس سے بے خبر نہیں رہ سکتا۔ مثلاً زمانہ حال کے نزدیک کسی پر لعنت بھیجنا ایک سخت گالی ہے، لیکن قرآن شریف کفار کو سنا سنا کر ان پر لعنت بھیجتا ہے۔"

سوامی دیانند سرسوتی کی موت کو جب مرزا صاحب نے اپنے الہام کا نتیجہ قرار دیا تو ان کے ایک پیرو پنڈت لیکھرام نے مرزا صاحب کے معرکوں پر گرہ لگائی اور انکے الہامات کو چیلنج کیا۔ مرزا صاحب حسب معمول پیچ پیچ آ گئے اور ماول تول کرنا شروع کیا، لیکن لیکھرام سخت جان واقع ہوا، مرزا صاحب میں تبلیغ میں قمار بازی کے ملکہ تھے۔ انہوں نے اعلان کیا کہ کوئی غیر مذہب والا ان کے پاس سال رہ کر کوئی آسمانی نشان نہ دیکھے اور نسل پاک مسلمان نہ ہو تو اس کو دو سو روپیہ ماہوار کے حساب سے ہرجانہ یا جرمانہ دیں گے۔ لیکھرام نے اعلان کیا کہ مرزا صاحب سال کا گزشتہ سرکاری خزانہ میں جمع کرا دیں تو وہ سال بھر انکے پاس رہنے کو تیار ہے، مرزا صاحب نے گریز کیا اور کہا کہ یہ اُن کے لئے ہے جو اپنی قوم میں معزز علماء اور مشہور مقتدا ہیں۔ آپ اس حیثیت اور مرتبہ کے آدمی نہیں ہیں۔ غرض یہ ایک طویل کہانی ہے، المختصر مرزا قادیان نے پنڈت لیکھرام کو قادیان آنے کی دعوت دی، لیکھرام پہنچ گیا اس زمانہ میں مراد آباد کے ایک اور سماجی منشی اندرمن نے مرزا صاحب کو کیا لاقیام کی پیشکش کی لیکن مرزا صاحب اس سے بھی فرار کر گئے۔ قادیان کے سربرآوردہ ہندوؤں نے تعاقب کیا تو مرزا صاحب ان سے بھی کنی کترا گئے۔ اگر کوئی نتیجہ مرتب ہو رہا تھا تو وہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں تنفر کے مستقل ذہن کا تشکل ہونا تھا۔ یہی مرزا صاحب کا مقصد تھا اور وہ اس میں کامیاب ہو رہے تھے۔ لالہ مرلی دھر نے ہوشیارپور میں مرزا صاحب کے مکان پر جا کر مناظرہ کیا اس کا دوسرا جلسہ ۱۴ مارچ ۱۸۸۶ء کو شیخ مہر علی رئیس اعظم ہوشیارپوری کے مکان پر ہوا۔ لیکن مرزا صاحب کے مناظرے تحریری ہوتے اور حاصل کچھ نہ ہوتا مرزا صاحب نے اس مناظرہ کی روداد سرمہ چشم آریہ کے نام سے شائع کی۔ لیکھرام نے اس کے جواب میں "نسخہ خبط احمدیہ" لکھا۔ مرزا صاحب کے ان مناظروں سے اسلام کے خلاف بیہودہ گوئی کا دروازہ کھل گیا۔

لیکھرام نے مرزا صاحب کو زچ کیا تو مرزا صاحب نے ۱۸۹۳ء میں پیشگوئی کی کہ لیکھرام قتل کیا جائے گا، چنانچہ ۶ مارچ ۱۸۹۷ء کو لیکھرام لاہور میں قتل ہو گیا اس سے ہندو مسلم کشیدگی پیدا ہو گئی، مرزا … کے خلاف ہندوؤں میں ہنگامہ برپا ہو گیا۔ مرزا صاحب نے قسمیں کھا کھا کر برأت کا اعلان کیا کہ اس میں ان کا ہاتھ نہیں، لیکن مرزا صاحب کی نبوت نے پنجاب میں ہندو مسلم فساد کی نیو اٹھا دی۔ اس سے پہلے ہندوؤں اور مسلمانوں میں آمنے سامنے کے اجتماعی فساد کبھی نہ ہوئے تھے مرزا صاحب ان فسادات کے دائمی و بانی ہو گئے۔ ہندو مسلمانوں سے اور مسلمان ہندوؤں سے اس طرح کھنچے گئے کہ ان میں وطنی اتحاد خواب و خیال ہو گیا کبھی اتحاد ہوا تو عارضی۔ اس کا سفینہ جلد ڈوب گیا فی الجملہ مرزا صاحب ہندوؤں اور مسلمانوں کو لڑانے میں کامیاب ہو گئے اور اس لڑائی کا شعار ہمیشہ کے لیے مستقل ہو گیا، مرزا صاحب نے دوسرا کارنامہ یہ انجام دیا کہ آریوں میں حضورؐ کے خلاف دریدہ دہنی کا حوصلہ پیدا کیا۔

مرزا صاحب نے استعمار پرستی کی ترنگ میں سب سے شرمناک یہ کام کیا کہ مسلمانوں کی ملی وحدت میں ناقابل عبور خلیج پیدا کی۔ اس وقت جن علماء حق سے مسلمانوں کی دینی غیرت کا چرچا تھا، مرزا صاحب نے للکار للکار کے انہیں بے نقط گالیاں دیں۔ ان کے ناوک سے کوئی دینی وجود محفوظ نہ رہا۔ ایک صاحب منشی الٰہی بخش نے مرزا صاحب کی تحریروں سے ان گالیوں کو ردیف وار جمع کیا مرزا صاحب کی محبوب گالیاں تو بہت سی تھیں، لیکن بڑی گالی یہ تھی کہ جو انہیں نہیں مانتا وہ زانیہ عورتوں کی اولاد ہے۔ (آئینہ کمالات اسلام) پھر اسکے ہم معنی الفاظ کا اعادہ کرتے رہے۔ دوسری گالی جس سے مرزا صاحب کا نطق لذت پاتا وہ حرامزادہ کا لفظ تھا۔ مرزا صاحب نے عیسائیوں اور آریوں کو تسلسل سے حرامزادہ کہا۔ اسی طرح مسلمان علماء کو اپنی بعض کتابوں اور کئی ایک اشتہاروں میں اسی لفظ سے مخاطب کیا، اس کے مترادف جتنے عریاں الفاظ تھے اکثر و بیشتر لکھتے رہے، حتیٰ کہ بعض پمفلٹ صرف گالی تھے۔

مرزا صاحب نبی ہوتے تو نبی کی زبان استعمال کرتے چونکہ متنبی تھے اور انگریزی حکومت نے انہیں ایک مشن سونپ رکھا تھا، اس لئے حکومت مرزا صاحب کی اس زبان کا حوصلہ بڑھاتی، نتیجۃً عیسائیوں اور آریوں کو پروپیگنڈا کرنے کا موقع ملتا کہ اسلام میں پیغمبروں کی زبان یہ رہی ہے۔ اور جو شخص خود کو محمد عربی کا ظل و بروز کہتا ہے اس کی اپنی زبان اتنی غلیظ ہے، تو جس کا بروز و ظل ہے اس کی زبان (خاکم بدہن) کیا ہوگی؟ یہ گویا مرزا صاحب کی بدولت سیرت رسولؐ پر حملہ آوری کا ایک حربہ تھا۔ دوسرا کارنامہ یہ تھا کہ مرزا صاحب نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے تنافر کو اٹھا کر پختہ کیا، جو انگریزی عملداری کے لئے ضروری تھا۔ مرزا صاحب برطانیہ کی استعماری خواہشوں کا مظہر تھے۔ انہوں نے پنجاب کی حد تک انگریزی حکومت کی ایسی خدمت کی کہ پورا صوبہ کئی واسطوں سے وفاداری بشرط استواری کا مرقع ہو گیا اور یہی مرزا صاحب کا سب سے بڑا کارنامہ تھا ـــ

شاہ فیصل

اور اُن کا سانحۂ ارتحال

شاہ فیصل شہید کی پہلی برسی کے موقع پر ایک طالبعلمانہ مضمون

"یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ"

شاہ فیصل شہید کی سنسنی خیز موت اور علمی ندوے میں حسن دل مایوسیوں کی اتھاہ تاریکیوں میں ڈوب گیا، جسم خاکی میں ایک زلزلہ سا آ گیا، مرنا جینا روزانہ کے کام ہیں لیکن بعض حادثات دل میں کچھ اس طرح نقش ہو جاتے ہیں جو بھلائے نہیں بھولتے، سچ فرمایا تھا حضرت مولانا علی میاں صاحب نے کہ قضا و قدر میں ہر کام کا وقت مقرر ہے وہ اشخاص بھی متعین ہوتے ہیں جن کے ہاتھوں کسی کام کی تکمیل مقدر ہوتی ہے ہزار کوشش کیجئے نہ کوئی کام اپنے وقت سے پہلے ہو سکتا ہے نہ ہی اپنے وقت سے ٹل سکتا ہے، پھر جن کے ہاتھوں مقدر ہے ہزاروں ناکامیوں اور ہزاروں معذوریوں کے باوجود ان سے انحراف نہیں کر سکتا آگے مولانا فرماتے ہیں کہ اس قسم کے واقعات ہمیشہ ایسے ہی لوگوں کو پیش آتے ہیں، خوش نصیب اور قابل رشک ہیں وہ لوگ جن سے اللہ تعالیٰ کوئی مفید کام لے لے۔

شاہ فیصل کا شمار عالم عرب کے اہم ترین سربراہان مملکت میں تھا، بیس سال کی عمر میں وہ اپنے نامور بزرگوار سلطان عبدالعزیز بن سعود (جنہوں نے ۱۹۲۵ء میں سرزمین حجاز میں اپنی حکومت قائم کی تھی) کے نائب سلطنت متعین ہوئے۔ ۱۹۱۹ء ہی سے فیصل جنگی معرکوں میں حصہ لینے لگے تھے۔ ان معرکوں ہی کے نتیجہ میں ۱۹۳۲ء میں حکومت وجود میں آئی ۱۹۳۲ء سے دس سال تک موصوف نے سعودی مملکت کے اولین وزیر کی حیثیت سے خدمات انجام دینا شروع کیں ۱۹۴۵ء میں فیصل نے سعودی وزیر خارجہ کی حیثیت سے اقوام متحدہ کے قیام میں نمایاں حصہ لیا۔ ۱۹۶۴ء میں جب حالات بگڑتے اور پیچ پیچ ہوتے جا رہے تھے مالیہ بالکل صفر ہو گیا تھا۔ روز بروز بگڑتے ہوئے حالات کے پیش نظر شاہ سعود تخت سے دست بردار کئے گئے اور تاج شاہی فیصل کے سر پر رکھا گیا پھر کیا ہوا! ایک آن بان سے حکومت چلائی، ملک ہر لحاظ سے دن بدن ترقی کرتا گیا اور سعودی حکومت کی ساکھ کو روز افزوں ترقی ہوتی رہی، اور ایک ایسے ملک کی تعمیر کر کے جو ہر لحاظ سے خود کفیل ہو خوشحالی اور فارغ البالی سے رشک گلزار بنا دیا، ساتھ ہی ساتھ وہ نہایت شریف النفس پاک طینت اور ستودہ صفات کے حامل تھے، زندگی سادہ اور درویشانہ تھی علم و فضل کے بڑے قدردان تھے طبیعت میں بڑی سخاوت، فیاضی اور خیر و خیرات کا جذبہ بدرجہ اتم تھا "درکفے جام شریعت درکفے سندان عشق" کا جلوہ تھا لوگ دولت و اقتدار پا کر آپے سے باہر ہو کر اس کے نشہ میں چور ہو جاتے ہیں جس کی طرف نبی امی نے ۱۴ صدی قبل ارشاد فرمایا تھا۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ، مجھے اس بات کا خطرہ نہیں ہے کہ تم مرتد ہو جاؤ گے ہاں اس بات کا خطرہ ضرور ہے کہ دنیا کی لذتوں اور آسائشوں میں پھنس جاؤ گے۔

یقیناً شاہ فیصل ایک قابل رشک آدمی تھے مطلق العنان بادشاہ ہونے کے باوجود انہوں نے اپنے ملک میں بہت سی ایسی اصلاح کا نفاذ اور اجرا کیا جو کہ نام نہاد جمہوری حکومتوں میں بھی یا تو ناپید ہیں یا برائے نام وجود رکھتی ہیں، ان کی زندگی میں شاہانہ ٹھاٹ باٹ مطلق نہ تھا عربوں کا سادہ اور روایتی لباس زیب تن رہتا، صوم صلوٰۃ اور دوسرے مذہبی اعمال کی پابندی ایک بدیہی امر تھا خصوصاً حج کے زمانے میں تو بالکل عام اشخاص کی سطح پر آ کر حاجیوں کی خدمات انجام دیتے اور حج کے سارے انتظامات کی نگرانی بنفس نفیس کرتے توسیع مسجد حرام اور توسیع مسجد نبوی جو کہ خود اپنی ہی نگرانی میں کرتے یہ ایک عظیم کارنامہ ہے جس کو دنیا حیرت و استعجاب کی نظر سے دیکھتی ہے، مزید یہ کہ شاہ فیصل نے عرب ممالک کے اتحاد میں ایک اہم پارٹ ادا کیا ہے بلکہ یوں کہئے کہ اتحاد عالم عربی کے وہ سب سے بڑے اور پہلے معمار تھے انہوں نے تخت پر جلوہ افروز ہوتے ہی سعودی حکومت کے اٹھائے انقلابی تبدیلیاں کیں، مصر سے سفارتی تعلقات جو کہ جمال عبدالناصر کے دور میں منقطع ہو چکے تھے انہوں نے پھر سے قائم کئے۔

یہی فیصل جو کہ مکہ معظمہ میں حج کا انتظام بنفس نفیس کرتے تھے ۲۵ مارچ جس دن کہ ساری دنیائے اسلام پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم ولادت منا رہی تھی تو اپنے بھتیجے کے ہاتھوں تقریباً پونے پانچ بجے جاں بحق ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

شاہ فیصل کی اچانک رحلت سے عالم اسلام کو ایک بڑا اور زبردست دھچکا لگا جس سے ان کی چولیں ہل گئیں، موت کے کچھ ظاہری اسباب ہوتے ہیں جس سے کہ غم میں کچھ تخفیف ہو جاتی ہے مثلاً طول علالت یا مہلک مرض یا ضعیفی وغیرہ وغیرہ یہاں اسباب الاّ مفقود تھے۔ مرحوم کی رحلت کسی ایک فرد یا قوم و جماعت کی نہیں بلکہ ایک عہد کی رحلت ہے۔ جسے کہ سارے عالم اسلام میں رنج و غم اور درد و الم کی ایک لہر دوڑا دی، اس فاجعہ نے نہ صرف سعودی عرب بلکہ تمام مسلمانوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے اور اس کو اسی حیثیت سے محسوس بھی کیا جا رہا ہے۔ آج ساری دنیا سوگوار ہے جگہ جگہ تعزیتی جلسے منعقد ہو رہے ہیں اور اس کو اسی طرح ظاہر کیا جا رہا ہے۔

لبوں پہ اہل محبت کے نام ہے تیرا
دلوں میں اہل وفا کے قیام ہے تیرا

قطعاتِ غم

بر شہادت خادم حرمین شاہ فیصل رحمۃ اللہ علیہ

از: عثمان احمد قاسمی جونپوری

شاہ فیصل والیٔ نجد و حجاز — مرد غازی تھے شہادت پا گئے
چھوڑ کر دنیا ہوئے واصل بحق — آنکھ جھپکی قصر جنت پا گئے

وہ شہادت پا کے زندہ ہو گئے — مٹ نہیں سکتا ابد تک ان کا نام
جاودانی عیش حاصل ہو گیا — ہے شہیدوں کے لئے دار السّلام

شاہ فیصل خادم حرمین تھے — ان کے حصہ میں شہادت تھی لکھی
حق تعالیٰ ان سے راضی ہو گئے — ان کی قسمت میں سعادت تھی لکھی

وہ معین و پاسبان ملک و دیں — صاحب فہم و خرد عالی دماغ
خرمن باطل پہ تھے برق تپاں — وادیٔ ظلمت میں تھے روشن چراغ

ابر رحمت جھوم کر برسا کرے — ہے جہاں پر شاہ فیصل کا مزار
اور ان کے دشمنوں پر اے خدا — رات دن تیرا غضب ہو شعلہ بار

"تعمیر حیات" میں اشتہار دیکر اپنی تجارت کو فروغ دیجئے

محمد علی جوہر

"مرد درویش کا سرمایہ ہے آزادی و مرگ"

محمد نعمان کوپر گانوی، معہد ملت - مالیگاؤں

تاریخ کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عالم رنگ و بو میں بہت بڑے بڑے رہنما، ریفارمر اور مصلحین پیدا ہوئے جو مختلف مکاتب خیال کے نمائندہ تھے، جنھوں نے اپنے اپنے دائرہ میں رہ کر قوم و وطن کی بہت ہی اونچے پیمانہ پر قابل قدر اور ناقابل فراموش خدمات انجام دیں اور اپنے جذبۂ ایمانی سے قوم کے دلوں پر پڑے ہوئے دبیز پردوں کو چاک کیا، انھیں رہنماؤں میں ہندوستان کے مایہ ناز فرزند، بھارت کے عظیم سپوت، زبردست قومی رہنما، رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر کی شخصیت سب سے نمایاں اور منفرد نظر آتی ہے کہ آپ نے کس ڈھنگ سے ملک و ملت کی خدمت کی۔

لیکن افسوس کہ آج کا مطلبی، خود غرض اور مفاد پرست انسان نہ کسی کی قدر و قیمت جانتا ہے اور نہ کسی کے احسانات و انعامات کو یاد رکھتا ہے، اس کی بے وفائی اور احسان فراموشی کا یہ عالم ہے کہ وہ زندہ لوگوں کے احسانات فراموش کر بیٹھتا ہے اور مرنے والوں کے متعلق ایک سرد آہ بھر کر یہ کہتا ہے ؎

اب یادِ رفتگاں کی بھی ہمت نہیں رہی
یاروں نے کتنی دور بسائی ہیں بستیاں

خیر! دورِ حاضر کا مصلحت کوش اور ابن الوقت انسان خواہ کتنا ہی آپ کی گرانقدر اور بیش بہا خدمات و احسانات کو بھلانے کی کوشش کرے لیکن تاریخ کے زریں اوراق کبھی آپ کی خدمات و احسانات کو فراموش نہیں کر سکتے بلکہ اس کو یہ اعتراف کرنا ہوگا کہ ملک میں آزادی کا جذبہ محمد علی نے پیدا کیا اور اپنی شجاعانہ سرگرمی سے قوم کو آزادی کی طرف مائل کیا، آپ ہی نے قوم کو آزادی کے لئے ہر تنقید کا نعرہ ... کے لئے سب کچھ قربان کر دینے کا جذبہ، آزادی کے لئے ہر خطرہ کو دینے کی جرأت، آزادی کے لئے ہر آفت کا خندہ پیشانی سے استقبال کرنے کا سبق سکھایا، اور آزادی کے لئے کئی بار جیل گئے۔ بہت سی مشکلات اور قید و بند کی صعوبتیں اٹھائیں لیکن ان مشکلات کے علی الرغم زبان پر کبھی اُف تک نہ آیا اور نہ پیشانی پر شکن محسوس کی، وہ اس شعر کی مجسم تصویر تھے ؎

مرد درویش کا سرمایہ ہے آزادی و مرگ
ہے کسی اور کی خاطر یہ نصابِ سیم و زر

وہ بیک وقت بے باک اہل قلم، جری مجاہد حریت، دور اندیش سیاست داں، بلند پایہ شاعر، بے مثال صحافی، شعلہ نوا مقرر، جلیل القدر رہنما، شب زندہ دار عالم دین، اور صد درجہ مذہب پرست تھے، اخیر عمر میں تو مذہب کا اتنا زیادہ غلبہ ہو گیا تھا کہ ہر معاملہ کو مذہب کی عینک سے دیکھتے، مذہب کے خلاف کوئی ادنیٰ چیز سننا پسند نہیں کرتے اور غیر مسلموں کو بھی دین کی دعوت دیتے، اجواہر لال نہرو فرماتے ہیں:-

"جس موضوع پر ہمارے آپس اکثر بحث ہوا کرتی تھی وہ خدا تھا، محمد علی کو عجیب و غریب ملکہ حاصل تھا کہ خدا کا ذکر وہ کانگریس کے ریزولیشنوں تک میں لے آتے تھے! کبھی یہ کہ خدا کا شکر ادا کیا جائے کبھی یہ کہ خدا سے دعا کیجائے"

اسی لئے آپ کو مبلغ اسلام بھی کہا جاتا ہے، کسی عرب شاعر نے شاید ایسے ہی باکمال شخص کے متعلق کہا ہے ؎

لیس علی اللّٰہ بمستنکر
أن یجمع العالم فی واحد

رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر کی بلند پایہ شخصیت، سچائی کا پتلا، حق گوئی کا مجسمہ، بیباکی اور دلیری کا جیتا جاگتا نمونہ تھی، آپ خوش گفتار اور قادر الکلام شاعر، بہترین مبلغ اسلام، بطل جلیل، بلند پایہ خطیب، انگریزی، اردو، فارسی کے ادیب، شعلہ بیان مقرر، حاضر جواب، سخن فہم، نکتہ سنج اور دو چیزوں کے تو بادشاہ تھے، شجاعت اور رقت قلب، یہ دو چیزیں اسی شخص میں جمع ہو سکتی ہیں جو دنیا کے ساتھ ساتھ دین پر بھی گہری بصیرت رکھتا ہو، آپ کی بیباکی اور بہادری کا یہ عالم تھا کہ انگریز حکومت سے بلا خوف و خطر مقابلہ کرتے رہا نکہ قید و بند اور پھانسی کا تختہ سامنے ہوتا اور اس کے ساتھ ہی رقت قلب کا یہ عالم تھا کہ تقریروں میں الگ رونے اور اگر دین و آخرت کی کوئی بات سامنے آجاتی تھی فوراً ان کی آنکھیں بھر آتیں، غرضیکہ آپ کی شجاعت و جواں مردی، حق گوئی و بیباکی کا سکہ پوری دنیا پر چھایا ہوا تھا، مولانا کی شجاعت کا اندازہ اس جملہ سے لگایا جا سکتا ہے جو آپ نے برطانوی پارلیمنٹ میں کہا تھا "میں یہاں سے آزادی کا پروانہ لے کر جاؤں گا یا اسی ملک میں مر جاؤں گا" یہ سنتے ہی تمام لوگ انگشت بدندان رہ گئے، پھر دوبارہ آپ غلام ملک میں تشریف نہیں لائے، اور وہیں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

محمد علی بحیثیت شاعر: مولانا کو شاعری میں ایک عجیب ملکہ حاصل تھا، آپ کی شاعری کا راز اس وقت کھلا جب کہ آپ قید و بند کی مشکلات برداشت کر رہے تھے، دراصل آپ کی پیدائش اور نشو و نما ایسے زمانہ میں ہوئی جب کہ شاعری کا دور نقطۂ عروج پر تھا، خود آپ کے خاندان میں شعر گوئی کا ذوق تھا، مولانا اپنی شاعری کے متعلق فرماتے ہیں:-

"رامپور میں اس زمانہ میں پیدا ہوا تھا جب گھر گھر مشاعرہ ہوتا تھا، داغ، امیر، تسلیم، جلال، عروج دہلی اور لکھنؤ کے آسمان کے ٹوٹے ہوئے ستارے سب رامپور کے آسمان سے نور افشانی کر رہے تھے۔ خود میرے خاندان میں بھی شعر گوئی کا ذوق تھا"

بہرکیف مولانا انتہائی بلند پایہ شاعر تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ آسمانِ شاعری پر ماہتاب بن کر چمکے۔

محمد علی بحیثیت خادم قوم: مولانا جہاں بہت سی خوبیوں کے مالک تھے وہیں قوم کی خدمت آپ کی زندگی کا جزء لاینفک تھا، آپ کے دل میں قوم کی ہمدردی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، قوم کی خدمت اور ان کے دکھ درد میں شریک ہونا اپنا شیوہ بنا لیا تھا اپنی پوری زندگی خلق خدا کی خدمت کے لئے وقف کر دی تھی، مسلم ہو یا غیر مسلم سب کی ہی آپ نے خدمت کی، اور جب بھی ایسا وقت آیا تو پھر نہ بیماری کا خیال کیا، نہ اپنے ذاتی تعلقات کا اگر کسی سے اپنا ذاتی مفاد وابستہ ہوتا تو اسکو بالائے طاق رکھ دیتے، دوستوں سے دشمنی مول لیتے لیکن قوم کی خدمت سے گریز نہیں کرتے۔ ذیل میں ایک واقعہ بیان کیا جا رہا ہے جس سے آپ کی خدمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

"مہاراجہ الور کی طرف سے مسلمانوں پر ظلم ہوا ہے مسلمان فریاد کرنے دہلی آئے ہیں، پریشان حال، بے خانماں، مولانا محمد علی اپنی بیماری بھول کر مہاراجہ الور سے دوستانہ تعلقات کو نظر انداز کر کے ہر خطرے سے بے پرواہ ہو کر ان مسلمانوں کے دکھ درد میں شریک ہو جاتے ہیں، روتے جاتے ہیں اپنا سکھ اور اپنا آرام قربان کر کے ان مسلمانوں کا ساتھ دیتے ہیں، مہاراجہ کے مقرر کئے ہوئے لوگ مولانا کی توہین کرتے ہیں حتیٰ کہ جان کی دھمکی دیتے ہیں، لیکن محمد علی کو حقیقتاً اضطراب اور واقعی بے چینی ہے۔"

(علی برادران)

آپ کی پوری زندگی خدمت خلق کا مرقع تھی، نازک ترین وقت میں قوم کی دادرسی کرنا، ان کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آنا آپ کی زندگی کا درخشاں پہلو تھا، کیونکہ آپ جانتے تھے کہ خلق خدا کی خدمت ہی دراصل بزرگی ہے جیسا کہ کسی نے کہا ہے ؎

بزرگی بجز خدمت خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

محمد علی جوہر بستر مرگ پر: مولانا اخیر میں بہت سخت علیل تھے، بصارت کمزور ہو چکی تھی، قویٰ مضمحل و کمزور ہو چکے تھے، قوت گویائی جواب دے چکی تھی، ڈاکٹر نے تحریر و تقریر سے قطعاً منع کر دیا تھا، پھر کیا تھا ہر طرف سے طعن و تشنیع کی بوچھار ہونے لگی اور تمام لوگ مخالف ہو گئے، بالخصوص "زمیندار" لیکن ایسے دشوار گذار وقت میں بھی مولانا کوہ استقامت بنے رہے، مگر کہتے ہیں کہ حقیقت چھپائی نہیں جاتی، چنانچہ وہی "زمیندار" جو مخالفت میں سب سے پیش پیش تھا، آپ کے انتقال کے بعد بہت ہی دلنشیں پیرایہ میں آپ کی قابلیت کا اعتراف کیا:- "وہ باتیں کرتا تو سننے والے ایسا محسوس کرتے جیسے شیر نر کچھار میں گونج رہا ہے، تقریر کے لئے کھڑا ہوتا تو سامعین یہ سمجھتے کہ آسمان کے آغوش میں بادل گرج رہا ہے، منبر پر کھڑا ہوتا تو امام غزالی کی زندہ تصویر، میدان میں ہوتا تو محمد بن قاسم کا قابل فخر نمونہ... اسلامیانِ ہند کا قائد اولوالعزم اور مجاہد سپہ سالار چلتا تھا تو ایسا معلوم ہوتا کہ اس کے مضبوط قدموں سے کرۂ ارض کا سینہ بیٹھا جا رہا ہے، دوران تقریر میں اپنا تنا ہوا ہاتھ جوش کے ساتھ لہراتا تو ایسا محسوس ہوتا کہ اپنے آہنی پنجے سے گردش افلاک کو مروڑ ڈالنے کو آگے بڑھ رہا ہے" مختصر یہ کہ وہ ایک ہی وقت میں بلند پایہ شاعر، بے مثال ادیب، متبحر عالم، حقیقت بیاں خطیب، عدیم النظیر مقرر، اعلیٰ ترین مدبر، کوہ وقار مجاہد، اولوالعزم سپہ سالار، لاثانی اخبار نویس، جلیل القدر رہنما اور بہترین سیاستداں تھے۔

غرضیکہ وہ بیک وقت پیکر صفات اور خوبیوں کے بیکراں سمندر تھے ؎

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

قارئین تعمیر حیات سے

(۱) جن حضرات کا زر سالانہ ختم ہو گیا ہے براہ کرم وہ چندے کی رقم بذریعہ منی آرڈر جلد روانہ فرمائیں۔

(۲) مسلسل خسارے کی وجہ سے بلا قیمت اعزازی پرچہ جاری کرنا دشوار ہو گیا ہے۔ اعزازی قارئین سے گذارش ہے کہ وہ بھی زر تعاون بذریعہ منی آرڈر روانہ کر کے ادارے کی اعانت فرمائیں۔

(۳) وی۔ پی کے مصارف میں خاصا اضافہ ہو گیا ہے، لہٰذا وی۔ پی کا انتظار نہ فرمائیں

(منیجر)

بہترین تحفہ

مکمل قرآن پاک جس کا طول ایک انچ عرض پون انچ موٹائی نصف انچ، تیس پارے حروف روشن مکمل مجلد خوبصورت مع ڈبیہ پلاسٹک وزن صرف دس گرام۔ ہدیہ چار روپے پچاس پیسے۔ محصول ڈاک ایک سے چار حمائل تک تین روپے پچاس پیسے لگتا ہے۔ اس لئے کئی احباب مل کر منگا لیں تو فائدہ رہے گا۔

سیرۃ النبیؐ کامل سٹ ۶ حصص مجلد مکمل از سید سلیمان ندوی	۱۵۵/-
دیوان حافظ مترجم اردو مع سوانح و طریقۂ فال مکمل مجلد	۲۴/-
مثنوی شریف مولانا روم مترجم اردو شاندار اعلیٰ اڈیشن مجلد دفتر اول	۲۵/-
دفتر دوم	۲۵/-

قصص الانبیاء کلاں مکمل مجلد اردو ۲۲/- دیوان غالب ۳/- مسدس حالی ۳/-

بہار شریعت مکمل سٹ ۱۸ حصص از مولوی امجد علی سنی حنفی قادری ۶۶/- کلیات اقبال اردو شاندار اڈیشن عکسی مجلد ۳۰/-

لغت کشوری مکمل مجلد اضافہ شدہ ۲۵/- تاریخ اسلام کامل ۴ حصص از شاہ معین الدین احمد ندوی ۷۰/-

¼ رقم پیشگی بذریعہ منی آرڈر آنا چاہیے۔ باقی کا وی۔ پی کیا جائے گا۔

ملنے کا پتہ: مونس بکڈپو، نظامی اسٹریٹ، بدایوں (یوپی)

اہل اسلام کے لئے عظیم پیشکش

بہلائے ہدیہ تیار ہیں

شرائط ایجنسی

ورلڈ قرآن سوسائٹی
۱۸ گلی کبابیان، جامع مسجد، دہلی ۱۱۰۰۰۶

کاتب کی ضرورت

ایک ایسے کاتب کی ضرورت ہے جس کا اردو اور عربی خط اچھا ہو اور دو ماہ تک اپنے کرایہ پر لکھنؤ میں رہ کر کام کر سکے، نمونہ اور ۱۸×۲۲ کا نرخ بھیجکر معاملہ طے کریں، ۵ برس سے کم کے بجو خط و کتابت نہ فرمائیں۔

مکتبۂ اسلام، گوئن روڈ، لکھنؤ

انگوری
جنرل ٹانک
معدہ، جگر، اعصاب اور گردوں کو طاقت دیتی ہے۔
بیماری کے بعد کی کمزوری کو جلد دور کرتی ہے۔
دواخانہ طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

دورِ حاضر کی بہترین گھریلو دوا
نورانی تیل
ہر قسم کے جسم کے درد، چوٹ، زخم، جلنے کٹنے کی بہترین دوا
انڈین کیمیکل کمپنی، مسوناتھ بھنجن (یوپی)

"تعمیر حیات"
پچاس ہزار ہاتھوں تک پہونچتا ہے۔
"تعمیر حیات"
میں اشتہار دے کر
اپنی تجارت کو
فروغ دیجئے۔

رانا ٹرانسپورٹ کمپنی
۲۱۔ زکریا اسٹریٹ کلکتہ ۱
اترپردیش، مدھیہ پردیش، دہلی، بمبئی
برانچ: بنارس، الہ آباد، لکھنؤ، کانپور، متھرا، جبلپور، آل انڈیا ٹرک
ٹیلیفون ۳۴۷۴۴۵ / ۳۴۴۰۴۸